www.UrduFanz.com
زندہ قبرستان
اشتیاق احمد

محمود، فاروق، فرزانہ

اور — انسپکٹر جمشید سیریز

پہلا حصہ

ناول نمبر ۵۴۸

زندہ قبرستان

اشتیاق احمد

نام ناول ____ زندہ قبرستان
بار اول ____ یکم نومبر ۱۹۹۳ء
طابع ____ اشتیاق احمد
کتابت ____ سعید نامدار
سرورق ____ طاہر ایس ملک
قانونی مشیر ____ شمیم احمد ایڈووکیٹ
مطبع ____ عظیم علیم پرنٹرز
قیمت ____ دس روپے

اشتیاق پبلی کیشنز
۹/۱۲ نصیر آباد — مسلم پورہ — ساندہ کلاں — لاہور
فون نمبر: ۷۲۴۶۳۵۶

ام عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے ، نبیشہ (جو غلام آزاد تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا) ہمارے پاس آیا اور ہم کھانا کھا رہے تھے ، ایک بڑے پیالے میں۔ اس نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، جو شخص پیالے میں کھاوے ، پھر اس کو چاٹ کر صاف کر دے تو پیالہ اس کے لیے دعا کرے گا مغفرت کی۔

سنن ابن ماجہ شریف ، جلد سوم
صفحہ نمبر ۵۳ ، حدیث نمبر ۱۵۶

السلام علیکم!

ادارے سے گذشتہ ماہ "آئینے بے وفائی" شائع ہوا۔ اس ناول کی اشاعت سے قبل میں نے اس کے اشتہار میں یہ بات تحریر کی تھی کہ یہ ناول میں نے اپنے قلم سے نہیں، اپنے خون سے لکھا ہے۔

اس وقت تک تو یہ صرف اور صرف میرا خیال تھا۔ لیکن اس کی اشاعت کے بعد جو خطوط موصول ہوئے، ان کو پڑھ کر واضح طور پر یہ اندازہ ہوا کہ دوسروں نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ یہ ناول میں نے اپنے خون سے ہی تحریر کیا ہے۔ پڑھنے والوں نے اس ناول کو کیسا پایا۔ پڑھنے کے دوران ان کے احساسات کیا تھے۔ کیا جذبات ان پر طاری ہوئے اور کیا کچھ آرا قائم کیں۔ یہ سب ان

کے خطوط کی صورت میں ناولوں کے آخر میں شائع کیا جا رہا ہے۔ آپ بھی یہ خطوط پڑھیے اور اگر آپ نے ابھی تک "آئینے بے وفائی" ناول کا مطالعہ نہیں کیا تو ضرور پڑھیں اور پڑھ کر آپ بھی مجھے ایک ایک خط لکھیں۔ یہ خطوط ناولوں کے آخر میں ضرور بالضرور شائع کیے جائیں گے۔

شکریہ!

جاسوسی کا امتحان

"آج تو کوئی رنگین پروگرام ہونا چاہیے۔" محمود نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

"ایسے میں کیا خاک رنگین پروگرام ہو سکتا ہے۔۔۔ نہ انکل خان رحمان ہیں نہ پروفیسر انکل۔۔۔ وہ بھی ابا جان کے ساتھ مسلم ہال میں گئے ہوئے ہیں۔"

"تمہارا مطلب ہے۔۔۔ دونوں انکلز کے بغیر ہم کوئی رنگین پروگرام نہیں بنا سکتے۔"

"بالکل نہیں۔۔۔ اس لیے کہ ان کے بغیر مزا نہیں آتا۔"

"تو ہم امی جان سے کام چلا لیتے ہیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"امی جان اور کسی رنگین پروگرام میں حصہ لے لیں۔۔۔ ناممکن۔۔۔ ان کے لیے تو ان کا باورچی خانہ ہی رنگین ہے۔"

"یہ تو خیر تم نے سچ کہا۔" باورچی خانے سے بیگم جمشید نے ہنس کر جواب دیا۔

"لیکن میرے خیال میں آج ہم امی جان کو اپنے پروگرام میں شریک کر سکتے ہیں۔" محمود نے کچھ سوچ کر کہا۔

"وہ کیسے؟" فاروق چونکا۔

"امی جان ہمارا جاسوسی کا امتحان لے کر دیکھ لیں۔" محمود نے یک دم کہا۔

"کیا مطلب؟" فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ تم بتاؤ گی۔ کہ امی جان ہمارا جاسوسی کا امتحان کس طرح لے سکتی ہیں۔"

"بات تمہارے ذہن میں آئی ہے۔ اور بتاؤں گی میں۔" فرزانہ نے آنکھیں نکالیں۔

"ہاں! اس لیے کہ ترکیبیں سوچنا تمہارا کام ہے۔ میرا نہیں۔"

"اگر اسی طرح لڑتے جھگڑتے رہے تو بن چکا رنگین پروگرام۔" فاروق نے جھلا کر کہا۔

"ہاں ہم ضرور رنگین ہو جائیں گے۔" محمود ہنسا۔

"لیکن بھئی آج مسلم ہال میں کیا ہو رہا ہے؟" بیگم جمشید بولیں۔

"تمام اسلامی ملکوں کے سربراہ جمع ہیں وہاں۔ انہیں اس بات پر غور کرنا ہے کہ اسلام دشمن طاقتوں سے

کس طرح نمٹا جائے۔ وہ آئے دن اسلامی ملکوں کے خلاف سازشوں کے جال بچھاتے رہتے ہیں۔ ان کے سازشوں کے ان جالوں کا مقابلہ کس طرح کیا جا سکتا ہے۔ بس اس بات پر سب کو غور کرنا ہے۔ اور جو تجاویز سامنے آئیں۔ ان میں سے جو منظور ہوں گی، ان پر عمل کرنے کا طریقہ طے کیا جائے گا۔"

"بہت خوب! اس کانفرنس کی واقعی بہت ضرورت تھی، لیکن کیا یہ کانفرنس اسلام دشمن طاقتوں کی نظروں سے محفوظ ہو گی؟" بیگم جمشید بولیں۔

"نہیں! انہوں نے بھی اس کانفرنس کے بارے میں ذرا ذرا سی تفصیل معلوم کرنے کا پروگرام بنا رکھا ہو گا، لیکن..."

"لیکن کیا؟" وہ بولیں۔

"وہاں حفاظتی انتظامات اس قدر کیے گئے ہیں کہ کوئی غیر ملکی پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔" محمود نے کہا۔

"غیر ملکی پرندہ۔ بہت خوب۔ یہ جملہ پسند آیا۔" بیگم جمشید نے تعریف کی۔

"اور خاص طور پر جب ان انتظامات کا انچارج ابا جان کو بنایا گیا ہے۔ تو بھلا وہاں کوئی سازش

کس طرح کام کر سکتی ہے؟"

"اوہ ہاں! پھر تو ٹھیک ہے — اس کا مطلب ہے — ہم بے فکری سے اپنے رنگین پروگرام پر غور کر سکتے ہیں — فرزانہ تمھارے رنگین دماغ میں کوئی رنگین ترکیب آئی یا نہیں؟" اس نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے — یہاں آنٹی بیگم شیرازی — اور آنٹی شہناز بیگم کو بھی بلا لیتے ہیں — یہ تینوں مل کر کوئی فرضی جرم کریں — میرا مطلب ہے — جرم ان میں سے کوئی ایک کرے — اور پھر ہم سراغ لگا کر بتائیں کہ فرضی جرم کس نے کیا تھا۔"

"پروگرام کچھ برا نہیں — لیکن اس حد تک رنگین نہیں۔" فاروق نے کہا۔

"اب میں اتنا رنگین پروگرام کہاں سے لاؤں؟"

"اپنی رنگین کھوپڑی سے۔"

"تم نے کیا رنگین رنگین لگا رکھی ہے — مجھے سارا گھر رنگوں سے بھرا نظر آنے لگا ہے۔" بیگم جمشید نے گھبرا کر کہا۔

"چلیے اچھا ہے — آپ کو اس مرتبہ گھر میں پینٹ نہیں کرانا پڑے گا۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"تو پھر — کیا میں آنٹی شہناز بیگم کو فون کروں — آنٹی

بیگم شیرازی کو تو فرزانہ بلا لاتی ہے۔"

"ٹھیک ہے — کر دو فون۔"

"لیکن فون کرنے سے پہلے ہمیں جرم کے بارے میں سوچ لینا چاہیے — ایسا نہ ہو کہ انھیں تو ہم بلا لیں اور یہ سمجھ میں ہی نہ آئے کہ کرنا کیا ہے۔"

"ان میں سے کوئی ایک گھر کی کوئی چیز چرائیں گی — اور چرا کر کہیں چھپا دیں گی — ہمیں نہ صرف اس چیز کو تلاش کرنا ہو گا، بلکہ یہ بھی معلوم کرنا ہو گا کہ چوری کس نے کی۔"

"پروگرام قدرے رنگین ہو چلا ہے — میرا خیال ہے، اس میں کچھ اور رنگ بھرنا چاہیے۔" محمود نے کہا۔

"تو پھر رنگوں کا ایک بڑا ڈبا لے آتے ہیں۔" فاروق جل کر بولا۔

بیگم جمشید مسکرا دیں — آخر محمود نے ریسیور کی طرف ہاتھ بڑھایا، عین اسی وقت فون کی گھنٹی بجی:

"جی فرمایئے۔" محمود نے فوراً ریسیور اٹھا کر کہا۔

"کون صاحب بات کر رہے ہیں؟" دوسری طرف سے مردوں سی آواز میں کہا گیا۔

"محمود! آپ کس سے بات کرنا چاہتے ہیں؟"

"یہ انسپکٹر جمشید کا گھر ہے نا؟"

"ہاں! بالکل — تو پھر؟"

"آپ لوگ یہاں مزے سے بیٹھے ہیں — اور اُدھر مُسلم ہال اڑنے والا ہے۔"

"کیا کہا؟" محمود چلّایا۔

"ہاں! جلدی کریں — اگر کچھ کر سکتے ہیں تو — بہت طاقت ور ٹائم بم وہاں نصب کیا جا چکا ہے — ٹھیک ڈیڑھ گھنٹے بعد جب دُنیائے اسلام کے مرکزی ملک کے شاہ تقریر کر رہے ہوں گے — بم پھٹ جائے گا۔"

"نن — نہیں۔" اس نے چیخ کر کہا۔

"میری اپنی جان کو حد درجے خطرہ ہے، میں آپ کو — ارے — وہ آ گئے — موت کے ہرکارے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی ریسیور رکھ دیا گیا۔

"فاروق — فرزانہ بھاگو — مسلم ہال میں ٹھیک ڈیڑھ گھنٹے بعد ٹائم بم پھٹنے والا ہے۔"

"نن — نہیں۔" بیگم جمشید چلّائیں۔

تینوں باہر کی طرف دوڑ لگا چکے تھے۔ انھوں نے آندھی اور طوفان کی طرح اپنی کار سٹارٹ کی اور کار گویا ہوا سے باتیں کرنے لگی — اس وقت شام کے سوا پانچ

بج رہے تھے اور یہ سردیوں کی ایک شام تھی — مغرب کی نماز ہو چکی تھی — تاریکی بڑھ رہی تھی — سڑکوں پر ابھی کافی ٹریفک تھی — اس کے باوجود محمود کار کو نکالے لیے چلا جا رہا تھا — کیونکہ آدھ گھنٹے کا تو راستا ہی تھا — اور ان کے پاس کل ڈیڑھ گھنٹہ تھا — گویا عمارت تک پہنچنے کے بعد صرف ایک گھنٹہ رہ جاتا —

ایسے میں ان کی کار کا پچھلا ٹائر ایک دھماکے سے پھٹا اور کار لنگڑانے لگی:

"دھت تیرے کی، ٹائر کو بھی ابھی پھٹنا تھا۔" محمود نے جھلّا کر کہا۔

"ٹائر پھٹا نہیں — پھاڑا گیا ہے — میں نے ایک شخص کو فائر کرتے دیکھا ہے — اس کے پاس غالباً بے آواز پستول تھا اور وہ خود بھی کار میں تھا — اور مزے کی بات یہ ہے کہ میں اس کی ایک جھلک دیکھ چکی ہوں۔"

"اوہ! اوہ — اور اس کی کار کس سمت میں گئی ہے؟"

"سیدھی ہی گئی ہے — سبز رنگ کی مزدا تھی بڑی والی ہم چاہیں تو اسے پکڑ سکتے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک — آؤ جلدی کرو۔"

انھوں نے اپنی کار سڑک کے کنارے چھوڑی — اور

پاس سے گزرنے والی ایک کار کے سامنے آ گئے۔ اس
نے پورے بریک لگائے۔ جھلا کر سر باہر نکالا:
"یہ کیا بدتمیزی ہے۔ اگر نیچے آ گئے ہوتے؟"
"آپ کی کار اس قدر رفتار پر نہیں تھی کہ بریک
نہ لگتا۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی محمود نے اس کے بازو کو پکڑ
کر ایک جھٹکا دیا۔ ساتھ ہی دوسرے ہاتھ سے کار کا
دروازہ کھول دیا۔ وہ باہر نکلتا چلا گیا۔
"یہ۔ یہ۔ یہ کیا؟" مارے حیرت کے وہ چلایا۔
"ہمیں لفٹ چاہیے۔ فوری۔ بہت خطرناک صورتِ حال
ہے۔ اگر آپ ہمارے ساتھ اپنی کار میں جانا چاہتے
ہیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ ورنہ یہ ہماری کار
یہاں موجود ہے۔ اس کا نمبر تبدیل کر کے اسے لے جائیں۔
بعد میں کاریں بدلتے رہیں گے۔"
"کیا کیا؟" مارے حیرت کے اس کے منہ سے نکلا۔
اس وقت تک تینوں اس کی کار میں بیٹھ چکے تھے۔
دیکھتے ہی دیکھتے وہ کار آگے بڑھ گئی۔ کار والا منہ کھولے
کھڑا رہ گیا۔ پھر وہ چیخا:
"ارے ارے۔ وہ میری کار لے گئے۔ کوئی ہے۔

جو میری مدد کرے۔"
فوراً ہی ٹریفک پولیس کی سیٹیاں سنائی دینے لگیں:
"اوہ! ٹریفک پولیس ہمارے پیچھے لگ گئی ہے۔"
"پروا نہیں۔ ہمیں تو اس سبز کار والے کو پکڑنا
ہے۔" محمود بولا۔
"میرا خیال ہے۔ اب وہ اس قدر تیز نہیں جا رہا
ہو گا، کیونکہ اس کے خیال میں ہم فوری طور پر
اس کا تعاقب کرنے کے قابل تو رہ نہیں گئے۔"
"ہوں! پھر تو امید ہے کہ ہم اسے جا لیں گے۔"
"اس کا مطلب ہے۔ مسلم ہال سے لے کر ہمارے
گھر تک سازش کا جال بُنا جا چکا ہے۔"
"ہاں! اور اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ فون کرنے
والے کی اطلاع غلط نہیں ہے۔" فرزانہ بولی۔
"تب پھر یہ بہت خطرناک بات ہے۔ بلکہ اب
تو سچ مچ کا رنگین پروگرام شروع ہو گیا ہے۔" فاروق
نے کہا۔
"رنگین نہیں۔ سنگین۔" محمود نے فوراً کہا۔
"سامنے نظر رکھو۔ اس قدر تیز ڈرائیونگ کے وقت
ادھر ادھر نظر نہیں ہٹائی جا سکتی۔"

"تم فکر نہ کرو — میں پوری طرح چوکس ہوں۔"

"ارے! وہ رہی سبز کار۔"

"تب تو وہ مارا — مزا آگیا۔"

"ابھی کیسے کہہ سکتے ہیں کہ مزا آگیا۔ ابھی تو ہم مسلم ہال پہنچے بھی نہیں اور ہم تلاش کرنے میں کامیاب بھی نہیں ہوئے۔"

"چلو خیر — اس کار والے کے نظر آنے کی حد تک تو مزا آگیا نا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

اور پھر ان کی کار سبز کار سے آگے نکل گئی — انھوں نے کار کو ٹیڑھا کر کے روک لیا:

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔" سبز کار والا چلایا۔

اب وہ شہر سے باہر نکل چکے تھے اور یہاں ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی۔

"آپ ذرا نیچے تشریف لے آئیں۔" محمود نے جیب سے پستول نکال کر اس کی طرف تان دیا اور تینوں آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھنے لگے۔

"کیا مطلب؟" اس نے خوف زدہ آواز میں کہا۔

"مطلب یہ کہ تم نے ہماری کار کا ٹائر کیوں پھاڑا؟"

"م — میں نے — آپ کو ضرور خوش فہمی ہوئی ہے۔"

"خوش فہمی یا غلط فہمی؟"

"پتا نہیں — میں ان دونوں کا فرق نہیں جان سکا — آج تک۔"

"آپ نے بے آواز پستول سے فائر کر کے ہماری کار کو بے کار کر دیا — یہ ایک جرم ہے — ہم آپ کو قانون کے حوالے کریں گے۔"

"قانون — کہاں ہے یہاں قانون؟" اس نے حیران ہو کر کہا —

اسی وقت ٹریفک پولیس کی گاڑی کا سائرن سنائی دینے لگا:

"وہ دیکھیں — قانون آگیا۔" فاروق مسکرایا۔

"آپ لوگ مجھے بلاوجہ پریشان کر رہے ہیں۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔

"اگر آپ کی تلاشی لینے پر پستول برآمد نہ ہوا تو ہم آپ سے معافی مانگ لیں گے، ورنہ قانون کے حوالے کر دیں گے۔"

عین اس وقت ٹریفک پولیس کی جیپ آکر رکی اور اس میں سے سارجنٹ اور کئی پولیس والے اتر کر ان کی طرف لپکے — ساتھ ہی وہ کار والا بھی

نیچے اترا:

"یہی ہیں وہ۔"

"بہت خوب! اے تم ہاتھ اوپر اٹھا دو۔ اور یہ تم ان کار والے صاحب پر پستول کیوں تانے کھڑے ہو۔ کیا کرتے پھر رہے ہو تم۔ اٹھائی گیرے لگتے ہو۔" سارجنٹ نے کہا۔

"آپ عینک گھر تو نہیں بھول آئے۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"کیا مطلب؟" سارجنٹ چونکا۔

"مطلب یہ کہ عینک کے بغیر شاید آپ کو صاف دکھائی نہیں دیتا۔ اسی لیے ہم آپ کو اٹھائی گیرے لگ رہے ہیں۔"

"آپ ذرا تمیز سے بات کریں۔ ایک تو آپ ان کی کار لے کر بھاگے ہیں۔ دوسرے ان صاحب پر پستول تانے کھڑے ہیں۔ تیسرے میرے حکم پر آپ نے پستول نہیں گرایا اور ہاتھ اوپر نہیں اٹھائے، لہٰذا اب آپ کو گرفتار کرنا پڑے گا۔" سارجنٹ نے جلدی جلدی کہا۔

"وہ بعد کی بات ہے۔ پہلے آپ ان صاحب کو

گرفتار کریں۔ انھوں نے ہماری کار کے ٹائر پر پستول سے فائر کیا تھا۔ لہٰذا ہماری کار بے کار ہو گئی۔ اسی لیے ہمیں ان صاحب کی کار میں ان کا تعاقب کرنا پڑا۔ ورنہ یہ نکل گئے تھے۔ آپ ان کار والے سے یہ پوچھ لیں۔ جس جگہ ہم نے ان کی کار پر قبضہ کیا۔ وہیں ہم نے اپنی کار کھڑی کی تھی یا نہیں اور ان سے یہ کہا تھا یا نہیں کہ آپ فی الحال ہماری کار کا ٹائر بدل لیں۔ اور جہاں جانا ہے، چلے جائیں۔ بعد میں ہم کاریں تبدیل کر لیں گے۔"

"ہاں! یہ تو خیر انھوں نے کہا تھا۔"

"تب پھر۔ یہ لوگ کار چور ہرگز نہیں ہیں۔" سارجنٹ نے کہا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میری کار ان کے قبضے میں ہے۔"

"لیکن یہ وجہ بھی بتا رہے ہیں۔"

"تو کیا اس طرح کسی کی کار لے جانا قانونی طور پر درست ہے؟"

"نہیں، لیکن انھیں بھی مجبوری پیش آ گئی تھی۔" سارجنٹ نے کہا۔

"اگر آپ ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کریں گے تو میں اعلیٰ حکام سے بات کروں گا۔" اس نے تنک کر کہا۔

"جائیے صاحب۔ آپ جس سے بات کرنا چاہیں، کر لیں۔ اور اپنی کار لے جائیں۔ سارجنٹ صاحب، آپ ذرا ان صاحب کی تلاشی لیں۔ اور کار کی بھی۔ ان کے پاس سے پستول برآمد کرنا ہے۔"

"اچھی بات ہے۔ مسٹر آپ باہر نکل آئیں۔"

سبز کار والا بُرے بُرے منہ بناتا باہر آ گیا۔ تلاشی لینے پر اس کی جیب سے پستول مل گیا۔ اس میں سے ایک گولی بھی چلی ہوئی پائی گئی۔

"پستول سے گولی تو چلائی گئی ہے۔"

"وہ ابھی ٹماٹر میں موجود ہے۔ ان کا جرم ثابت ہو جائے گا، آپ انہیں لے چلیں اور یہ جیپ ذرا ہمیں دے دیں۔ ہم رک نہیں سکتے۔ ہمیں آگے جانا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

محمود نے اپنا کارڈ نکال کر دکھایا۔ سارجنٹ کا رنگ اڑ گیا۔

"اوہ۔ یہ آپ لوگ ہیں۔ لے جائیے جیپ۔"

"شکریہ!"

تینوں جیپ میں بیٹھ کر ہوا ہو گئے۔ سبز کار والے اور دوسری کار والے نے حیران ہو کر پوچھا:

"یہ کیا بات ہوئی۔ آپ نے تو اپنی جیپ بھی انہیں دے دی۔ آخر یہ کون تھے؟"

"انسپکٹر جمشید کے بچے۔"

"کیا!!" ان کے منہ سے نکلا۔

سوری انکل

"سبز کار والے نے ہمارا راستا روکنے کی کوشش کی، ہمارا وقت بھی اس نے ضائع کیا — اس کا مطلب صرف اور صرف یہ بنتا ہے کہ مسلم ہال میں بم والی خبر غلط نہیں — اب سوال یہ ہے کہ وہ کون تھا جس نے ہمیں یہ کام کی اطلاع دی — فون پر اس کے آخری الفاظ یہ تھے — وہ آ گئے موت کے ہرکارے۔"

"اس پر بعد میں غور کریں گے — اب تو اس کے ساتھ جو ہونا تھا، ہو چکا — اگر وہ لوگ اس کی جان لے چکے ہیں تو اس کی لاش مل ہی جائے گی — اور اگر ابھی وہ زندہ ہے تو ہم اسے تلاش کر لیں گے — اس وقت کا مسئلہ ہے — بم تلاش کرنے کا۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"اور بم پھٹنے سے پہلے عمارت تک پہنچنا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"وہ تو اب ہم پہنچنے ہی والے ہیں۔" محمود نے کہا۔

پانچ منٹ بعد وہ مسلم ہال کے سامنے پہنچ گئے۔ یہ ہال ایک پُر فضا وادی میں بنایا گیا تھا — شہر سے باہر — اس کے چاروں طرف سبزہ ہی سبزہ تھا — ہرے بھرے پھول دار درخت تھے — ایک طرف ایک مصنوعی چشمہ جاری کیا گیا تھا۔

عمارت کے چاروں طرف ملٹری کا پہرہ تھا — جب وہ صدر دروازے کے پاس رکے تو ملٹری والے چوکنّے ہو گئے — رائفلیں ان کی طرف تن گئیں۔

"ہم محمود، فاروق اور فرزانہ ہیں — انسپکٹر جمشید کے بچے۔"

"تو پھر؟" ایک ملٹری مین نے آگے بڑھ کر کہا۔

"ہمیں اندر جانا ہے۔"

"اندر جانے کی تو کسی کو بھی اجازت نہیں۔"

"ہمارے والد اندر موجود ہیں۔"

"اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کو اندر جانے کی اجازت ہے۔" ملٹری آفیسر نے خشک لہجے میں کہا۔

"ہمیں اطلاع ملی ہے کہ عمارت کے اندر ٹائم بم رکھ دیا گیا ہے۔"

"بم سکواڈ پوری عمارت کے چپے چپے کی تلاشی لے چکا

ہے، آلات کے ذریعے چیک کر چکا ہے؟"
"ہو سکتا ہے۔ بم ان کی چیکنگ کے بعد رکھا گیا
ہو۔" محمود بولا۔
"نہیں! اس کا امکان نہیں۔ ان کی چیکنگ کے بعد
کسی غیر متعلق آدمی کو اندر نہیں آنے دیا گیا۔"
"متعلق آدمی بھی تو بم لا سکتا ہے۔"
"اندر داخل ہونے والے ہر فرد کو بھی بم سکواڈ کے
ذریعے، آلات کے ذریعے چیک کرنے کے بعد بھیجا گیا ہے۔"
"پہلے یہ سن لیں کہ ہمارے ساتھ کیا ہوا ہے؟"
"ہاں! سنائیے۔"
محمود نے تفصیل سنا دی۔ سن کر ملٹری آفیسر سوچ
میں ڈوب گیا، پھر اس نے کہا:
"مشکل یہ ہے کہ مجھے یہ حکم بھی انسپکٹر جمشید صاحب نے
ہی دیا ہے کہ اب اندر کسی قسم کی کوئی بھی دخل اندازی
نہ ہو۔ کسی قسم کا کوئی بھی پیغام ملے، اندر نہ پہنچایا جائے۔"
"یہ ہدایت ہمارے حساب سے تو بالکل غلط ہے۔"
محمود نے پریشان ہو کر کہا۔
"یہ آپ کہہ سکتے ہیں۔ میں نہیں۔" ملٹری آفیسر نے کہا۔
"آپ بھی ٹھیک کہتے ہیں۔ اچھا ہم ایک دوسرا طریقہ آزماتے

ہیں۔ اس کی تو ہمیں اجازت ہے نا؟"
"پہلے بتا دیں۔ دوسرا طریقہ کیا ہے؟" انچارج نے گھبرا
کر کہا۔
"یہ کہ۔ میں اپنے منہ سے ایک آواز نکالوں گا۔ اس
آواز کو صرف ہمارے ابا جان سن سکیں گے یا پہچان سکیں
گے، آپ یوں سمجھ لیں کہ وہ کوڈ آواز ہے۔"
"کوڈ آواز۔" آفیسر ہنس پڑا۔
"ہاں! اور دوسروں کو احساس بھی نہیں ہو سکے گا۔"
"لیکن آپ کی آواز اندر کس طرح جا سکے گی۔ ہال
کے چاروں طرف بہت طویل سبزہ زار ہے۔ اس کے بعد
ہال ہے اور اس کے بھی دروازے بند ہیں۔"
"ہال ساؤنڈ پروف تو نہیں ہے نا؟"
"نہیں۔ ساؤنڈ پروف نہیں ہے۔"
"تب آپ ہمیں اپنی کوشش کر لینے دیں، کیونکہ اس
کوشش میں آپ کا کوئی دخل نہیں ہو گا۔ ابا جان آپ
سے کوئی جواب طلب نہیں کریں گے۔ اس لیے کہ یہ ہمارا
اور ان کا براہِ راست رابطہ ہو گا۔"
"اچھی بات ہے۔ پیش آنے والے حالات کے تحت
میں آپ کو ایسا کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔"

"شکریہ!" محمود نے خوش ہو کر کہا۔ پھر اس نے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھے اور منہ سے بہت بلند اُلّو کی آواز نکالی۔ اس آواز کو سُن کر آفیسر اور دُوسرے فوجی حیران سے ہو گئے۔

"یہ۔ یہ تو اُلّو کی آواز تھی۔" آفیسر نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں! لیکن میں اُلّو نہیں ہوں۔"

"اپنے منہ میاں مٹھو تو نہ بنو بھئی۔" فاروق مسکرایا۔

"لیکن آپ گھبرائے کیوں؟" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"اس لیے کہ اُلّو کی آواز منحوس ہوتی ہے۔"

"یہ۔ آپ کیا کہ رہے ہیں۔ اس قسم کے وہم نہیں پالنے چاہییں۔"

"خیر۔ اب آپ نے کوشش کر لی۔ اس کوشش کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ اب یہ دیکھتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"ہاں۔ بالکل۔ لیکن ابھی مجھے ایسی دو آوازیں اور منہ سے نکالنا ہوں گی۔ اس آواز کو تو وہ اتفاقی آواز خیال کریں گے۔ دُوسری آواز پر سوچیں گے کہ ضرور کوئی گڑبڑ ہے۔ تیسری آواز پر سوچیں گے کہ ہم تک پہنچ کر بات معلوم کر ہی لینی چاہیے۔"

"ضرور۔ کیوں نہیں۔ ایسی آوازیں تو آپ چاہے دس

مرتبہ نکالیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" آفیسر نے مُسکرا کر کہا۔

"میں کوئی اُلّو نہیں ہوں کہ دس مرتبہ آوازیں نکالوں۔" یہ کہ کر محمود نے دُوسری مرتبہ آواز نکالی اور پھر چند سیکنڈ کے وقفے سے تیسری مرتبہ بھی نکالی۔

اب وُہ انتظار کرنے لگے۔ آخر اندر سے کسی نے ٹھک ٹھک کی۔ آفیسر نے قدرے تیز آواز میں کہا:

"فرمایئے۔ کیا بات ہے۔ اِنسپکٹر جمشید صاحب کا حکم ہے، کسی کے لیے دروازہ نہیں کھولا جائے گا۔"

"بالکل ٹھیک۔ ہونا بھی یہی چاہیے۔ جو حکم ملے، صرف اس کے مطابق کام کرنا چاہیے۔ مجھے انسپکٹر جمشید صاحب نے ہی یہاں تک بھیجا ہے۔ میرا نام اکرام ہے۔ باہر محمود، فاروق اور فرزانہ موجود ہیں نا؟"

"جی ہاں بالکل انکل۔"

"میں بتا چکا ہوں۔ میرا نام اکرام ہے، بالکل انکل نہیں ہے۔" اکرام نے فوراً کہا۔

"بالکل انکل۔" محمود جلدی سے بولا۔

"پھر وہی بالکل انکل۔"

"اچھا سوری انکل۔" محمود نے گھبرا کر کہا۔

"معلوم ہوتا ہے۔ تم پر گھبراہٹ کا بھوت سوار ہے۔" اکرام

نے بھی گھبرا کر کہا۔

"ہاں انکل! یہ گھبراہٹ تو مبتلا کر دے گی سب کو گھبراہٹ میں۔"

"بات بتاؤ بھئی۔"

"ارے ۔۔ تو کیا دروازہ کھلوائے بغیر بات پوچھیں گے۔"

"ہاں، ابھی صرف اتنی اجازت ملی ہے ۔۔ اگر بات اس قسم کی ہوئی ہے کہ اس پر توجہ دی جائے تو دروازہ کھلوایا جا سکے گا، ورنہ نہیں۔"

"کمال ہے ۔۔ بہت سخت آرڈر ہے۔"

"یہ کانفرنس ہی اس اہمیت کی ہے۔" اکرام نے کہا۔

"اچھی بات ہے ۔ لیجیے ۔۔ دروازے کے اس پار سے ہماری بات سُن لیں۔" اس نے کہا اور جلدی جلدی ساری بات دہرا دی ۔ اکرام سوچ میں ڈوب گیا ۔۔ پھر اس نے کہا۔

"اب یہ بات جا کر سر کو بتانا ہو گی ۔ تب کہیں جا کر وہاں سے کوئی ہدایت دی جائے گی۔"

"آپ ایسا کریں کہ اس کے بغیر ہی دروازہ کھلوا دیں، ہم نہایت خاموشی سے اندر داخل ہو کر اپنا کام شروع کر دیتے ہیں۔" فرزانہ نے تجویز پیش کی۔

"نہیں بھئی ۔ اس طرح انسپکٹر صاحب مجھ پر بگڑیں گے، کیونکہ یہ دخل اندازی میری گنی جائے گی۔"

"اچھی بات ہے، لیکن آپ ذرا جلدی کریں ۔ راستا آدھ گھنٹے کا تھا ۔ اس رکاوٹ یعنی سبز کار والے کی وجہ سے قریباً پینتالیس منٹ لگ گئے ۔ دس منٹ یہاں ضائع ہو چکے ہیں ۔ اب ہمارے پاس صرف ۲۵ منٹ باقی ہیں ۔ ان میں سے بھی قریباً دس منٹ آپ لے لیں گے ۔ ارے باپ رے ۔ صرف پچیس منٹ میں ہم کیا کر لیں گے۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"اچھی بات ہے ۔۔ میں اندر کی طرف بہت تیزی سے جاتا ہوں ۔ لیکن انسپکٹر صاحب جس جگہ موجود ہیں، ان تک بہت دبے پاؤں جانا پڑے گا۔"

"یہ سوچ لیں انکل ۔ کہ جن کے لیے یہ حفاظتی انتظامات کیے گئے ہیں ۔ انھی کی جانیں خطرے میں ہیں ۔ عمارت میں موجود ہر آدمی کی جان اس وقت خطرے میں ہے۔"

"میں یہ بات سمجھتا ہوں ۔۔ لیکن دوسری طرف حکم ہی بہت سخت ہے ۔ انسپکٹر صاحب نے یہ حکم دیا ہوا ہے کہ اگر محمود، فاروق اور فرزانہ بھی کوئی

خطرناک خبر لے کر آئیں ۔ یہاں تک کہ بم تک کی
اطلاع بھی اگر لے کر آئیں تو بھی کوئی دخل اندازی
نہیں کی جائے گی۔"

"اوہ ۔ انھوں نے یہ تک کہہ رکھا ہے۔" فرزانہ نے
گھبرا کر کہا۔

"ہاں بالکل۔" اکرام بولا۔

"تب پھر وہ یہ بات توجہ سے کس طرح سنیں گے۔
ایک کان سے نکال کر دوسرے سے سن لیں گے۔" فاروق
نے گھبرا کر کہا۔

"کیا کہہ رہے ہو بھئی۔" محمود نے گھبرا کر اس کی طرف
دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں ۔ کیا بات ہے؟"

"تم نے کہا ہے ۔ ایک کان سے نکال کر دوسرے
سے سن لیں گے ۔ کہنا یہ تھا کہ ایک کان سے سن
کر دوسرے سے نکال دیں گے۔"

"ان حالات میں میرے منہ سے اس سے زیادہ
درست جملہ نکل بھی تو نہیں سکتا۔"

"اچھا ! میں تو چلا۔" اکرام نے کہا۔

"شکریہ اس بات کا کہ آپ جا تو رہے ہیں ۔

ورنہ ہم کیا کر لیتے۔" فاروق نے منہ بنایا ۔ ملٹری آفیسر ہنس
پڑا اور بولا :

"اب آپ کو پتا چلا ۔ کہ میں اپنی جگہ پر ٹھیک تھا۔"

"ہاں ! آپ اپنی جگہ ٹھیک ہیں ، انکل اکرام اپنی
جگہ ، ابا جان اپنی جگہ ۔ سب اپنی اپنی جگہ ٹھیک ہیں ۔
بس ہم اپنی جگہ غلط ہیں۔" فاروق نے جل بھن کر کہا۔

اور وہ سب مسکرانے لگے ۔ محمود ، فاروق اور فرزانہ
بار بار گھڑی کی طرف دیکھ رہے تھے ۔ آخر خدا خدا
کر کے اکرام کی آواز سنائی دی :

"میں انسپکٹر صاحب سے بات کر آیا ہوں۔"

"تو پھر؟" محمود نے بے چین ہو کر کہا۔

"ان کا کہنا ہے ۔ عمارت کی مزید چیکنگ کی قطعاً کوئی
ضرورت نہیں ہے ۔ پروفیسر داؤد صاحب کے ہاتھوں
نے خود پوری عمارت اور باغ کو چیک کیا ہے ۔ اور
اس کے بعد انسپکٹر صاحب نے خود پوری عمارت کو نظر
میں رکھا ہے ۔ لہٰذا انھیں کوئی بے اطمینانی نہیں ہے۔"

"اس کا مطلب ہے ۔ ہم گھر کو لوٹ جائیں۔"

"نہیں ۔ انھوں نے کہا ہے ۔ اگر آپ اپنا اطمینان ضرور
ہی کرنا چاہتے ہیں ۔ تو اس کی صرف ایک صورت ہے

اور وُہ یہ کہ کانفرنس ہال میں کوئی دخل اندازی نہیں کریں گے۔"

"اچھی بات ہے۔ کیا ہم اندر داخل بھی نہیں ہو سکتے؟" فرزانہ نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"داخلے کی اجازت آپ کو دی گئی ہے۔ وُہ بھی بہت مجبوری کی حالت میں۔ دروازہ کھول دیں بھئی۔"

"لیکن انسپکٹر جمشید صاحب کا حکم ہے" ملٹری آفیسر نے کہا۔

"میں ان کا تحریری حکم لایا ہوں۔ جو دروازے کے نیچے سے سرکا رہا ہوں۔"

"بہت خوب!" ملٹری آفیسر نے کہا۔

اور پھر کاغذ پر لکھا حکم پڑھ کر اس نے دروازہ کھولنے کا اشارہ کیا، پھر ان سے بولا:

"ویسے مجھے ایک فیصد بھی امید نہیں تھی کہ آپ کو اندر داخلے کی اجازت مل جائے گی۔ اس طرح انسپکٹر جمشید صاحب نے خود اپنے حکم کی خلاف ورزی کی ہے۔"

"ایسا بھی ہوتا ہے۔ ابھی تو ہم اس عمارت سے بم تلاش کر کے دکھائیں گے۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔ ویسے بم کا تو کوئی امکان نہیں ہے۔"

"خیر خیر۔ دیکھا جائے گا۔"

اور پھر ان کے لیے دروازہ کھول دیا گیا۔ وُہ اندر داخل ہوتے تو دروازہ فوراً بند کر لیا گیا۔

"چند منٹ بعد چائے کا وقفہ ہو گا۔ اس دوران تم چائے لے جانے والوں میں شامل ہو کر ہال میں جا سکو گے۔ ورنہ نہیں۔"

"لیکن چائے لے جانے والے تو وردیوں میں ہوں گے۔" فاروق بولا۔

"تمہیں ان میں نگرانی کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ کہ کہیں ان میں کوئی غلط آدمی نہ ہو۔"

"اوہ اچھا۔ گویا اس سے پہلے اور چائے کے بعد ہم عمارت کے اندر بم تلاش کر سکتے ہیں۔"

"ہاں بالکل! لیکن ملے گا نہیں۔"

"کوئی بات نہیں۔ ہم تو خود دعا کر رہے ہیں کہ اندر بم نہ ہو۔"

"یہ سبزہ زار ہے۔ وُہ سامنے ہال ہے۔ اور بس۔"

"ہال کے نیچے کوئی تہ خانہ تو نہیں ہے؟"

"تہ خانہ۔ نہیں۔ میری اطلاعات کے مطابق نیچے کوئی تہ خانہ نہیں ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی انکل کہ آپ کی معلومات کے مطابق — ہمیں تو اس عمارت کی معلومات کے مطابق اطلاع چاہیے۔"

"وہ عمارت کے انچارج بتائیں گے، کیونکہ میری ڈیوٹی یہاں بعد میں لگی تھی۔"

"عمارت کا انچارج — اور وہ اس وقت کہاں ہے؟"

"باورچی خانے میں ہی ان کی ڈیوٹی ہے، تاکہ کوئی غلط چیز تیار نہ ہو جائے۔"

"اور ان کا نام کیا ہے؟"

"راجا صاحب۔" اکرام نے کہا۔

"شکریہ! ہم پہلے باورچی خانے میں جا رہے ہیں۔"

"اور میں اپنی ڈیوٹی پر جاتا ہوں۔"

"آپ کی ڈیوٹی کہاں ہے؟"

"ہال کے اندر ہی — انسپکٹر صاحب کے بالکل ساتھ کھڑا ہوا ہوں۔"

"اچھی بات ہے — چائے کے وقفے تک کے لیے رخصت۔" محمود نے کہا۔

اکرام مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا اور وہ باورچی خانے کی طرف چل پڑے — جونہی باورچی خانے کے دروازے پر

پہنچے، ملٹری مینوں نے انھیں پھر روک لیا:

"راجا صاحب کو بلائیں۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"آپ کون ہیں — اور یہاں کیسے نظر آ رہے ہیں؟" ایک فوجی نے حیران ہو کر کہا۔

"اگر ہم اندر نظر آ رہے ہیں — تو تمام ذمے داروں کی مرضی سے ہی نظر آ رہے ہیں نا۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"ہاں! یہ تو ہے۔"

"تو پھر راجا صاحب کو آواز دیں — یا ہمیں باورچی خانے کے اندر جانے دیں۔"

"آپ کو تو خیر اندر نہیں جانے دیں گے — راجا صاحب کو بلا دیتے ہیں۔" آخر اس نے کہا۔

جلد ہی لمبے قد کا، بڑی مونچھوں والا ایک نوجوان باہر نکلا اور حیرت زدہ انداز میں انھیں دیکھتے ہوئے بولا:

"ہائیں — آپ کون ہیں اور یہاں کیوں نظر آ رہے ہیں؟"

"ہم محمود، فاروق اور فرزانہ ہیں — ہمیں خاص حالات کے تحت اندر داخل ہونے کی اجازت ملی ہے — آپ ذرا الگ ہٹ کر ہماری بات سن لیں۔"

اس کے چہرے پر الجھن تیر گئی، پھر اس نے کہا:

"اچھی بات ہے — اس طرف آئیے۔"

وہ انھیں درختوں کے درمیان لے آیا:

"ہاں! کیا بات ہے؟"

"کیا اس عمارت کے نیچے کوئی تہ خانہ ہے؟"

"تہ خانہ۔ یہاں تہ خانے کا ذکر کہاں سے نکل آیا؟"

"ہمیں ایک اطلاع ملی ہے۔ ہم اس کی چیکنگ کرنا چاہتے ہیں۔"

"اور وہ اطلاع کیا ہے؟"

"آپ اس بات کو چھوڑیں اور یہ بتائیں۔ کیا عمارت کے اندر داخل ہونے کی کسی کو اجازت ہے؟"

"نہیں۔ بالکل نہیں۔"

"لیکن اس کے باوجود ہمیں اندر داخل کیا گیا ہے۔ آخر کوئی تو بات ہو گی۔"

"ہاں بالکل۔"

"بس تو پھر۔ جلدی سے ہمیں وہ تہ خانہ دکھا دیں۔"

"تہ خانے میں صرف پرانی اور بے کار چیزیں ڈالی جاتی ہیں۔ وہ مہینوں نہیں کھولا جاتا اور نہ اس دوران کھولا گیا، لہذا آپ کو جو اطلاع بھی ملی ہے۔ اس کا تعلق تہ خانے سے نہیں ہو سکتا۔" راجا صاحب نے جلدی جلدی کہا۔

"آپ ایک بات بتائیں۔ بم اسکواڈ عملے نے اس تہ خانے

کو چیک کیا تھا؟"

"نہیں!" اس نے کہا۔

"بس تو پھر۔ اب اس کی چیکنگ کی ضرورت ہے۔"

"میں کھول دیتا ہوں، لیکن اس طرح وقت ضائع ہوگا۔"

"آپ اس کی فکر نہ کریں۔ اور ذرا جلدی کریں۔"

"آئیے۔" اس نے کہا۔

وہ اس کے ساتھ چلتے عمارت کی طرف آئے۔ اس جگہ دیوار میں ایک دروازہ تھا، اس پر تالا لگا ہوا تھا۔ جب راجا صاحب نے وہ تالا کھولا تو انھیں سیڑھیاں نیچے جاتی دکھائی دیں:

"حیرت ہے۔ ابا جان نے اس کو کس طرح نظرانداز کر دیا۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"آپ اپنے والد کی بات کر رہے ہیں؟" راجا نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں!" تینوں اس کی طرف مڑے۔

"وہ اس طرف آئے تھے اور تہ خانے کی چیکنگ بھی ہوئی تھی۔"

"بہت خوب! اس کا مطلب ہے۔ اندر کچھ نہیں ملا۔"

"بالکل نہیں۔ اسی لیے تو میں کہ رہا ہوں۔ آپ بھی

اپنا وقت برباد کریں گے۔"

"اس کی یہی عادت ہے۔" فاروق بولا۔

"جی — کس کی؟" اس نے چونک کر کہا۔

"وقت برباد کرنے کی — اب یہ اور بات ہے کہ شروع تو کرتے ہیں ہم وقت برباد کرنا اور ہو جاتا ہے وہ آباد۔"

"پتا نہیں — آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"ہمارے پاس وقت بہت کم ہے — اس لیے بعد میں بتائیں گے کہ ہم کیا کہہ رہے تھے۔" فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔

تینوں سیڑھیاں اُترنے لگے۔

"میں دروازہ اوپر سے بند کر رہا ہوں — جب آپ فارغ ہو جائیں تو دستک دے دیجیے گا — میں فوراً آ کر دروازہ کھول دوں گا۔" اس نے کہا۔

"لیکن اتنی دور سے آپ آواز کس طرح سن لیں گے۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔

"فکر نہ کریں — میرے کان بہت تیز ہیں۔"

"جی نہیں — آپ دروازہ بند نہ کریں۔"

"اچھی بات ہے — میں دروازہ ایسے ہی برابر کر دیتا ہوں۔"

"اس کی بھی ضرورت نہیں۔"

"کوئی اس طرف آ گیا تو اعتراض کرے گا۔"

"اوّل تو آئے گا کون، کوئی آ بھی جائے گا تو انچارج تو ہمارے والد ہیں اور ہم جو کچھ بھی کر رہے ہیں، ان کی اجازت سے کر رہے ہیں۔"

"اچھی بات ہے — میں دروازہ برابر بھی نہیں کر رہا۔" راجا صاحب نے ہنس کر کہا۔

انھیں اس کی یہ ہنسی عجیب سی لگی — چونک کر اس کی طرف دیکھا، لیکن وہ تو جانے کے لیے مڑ چکا تھا — آخر وہ نیچے اُترتے چلے گئے — جونہی ان کے قدم فرش پر لگے — ایک شوخ آواز سنائی دی:

"مجھے تم تینوں کا ہی انتظار تھا۔"

غلط اِطلاع

اکرام کانفرنس ہال میں داخل ہوا تو انسپکٹر جمشید اپنی جگہ کھڑے نظر آئے۔ وہ ان کے بالکل ساتھ جا کھڑا ہوا، اس وقت ایک اسلامی ملک کے سربراہ تقریر کر رہے تھے۔ سب ان کی تقریر بغور سن رہے تھے۔ انسپکٹر جمشید ایسی جگہ کھڑے تھے کہ تمام مہمان ان کی نظروں میں تھے۔ اور جو مقامی لوگ وہاں بلائے گئے تھے، وہ بھی ان کی نظروں میں تھے۔ ان کی عقابی نظریں سب کا بغور جائزہ لے رہی تھیں۔ جب اکرام ان کے ساتھ آ کر کھڑا ہوا تو انھوں نے نظروں کو ہٹائے بغیر سرگوشی کی:

"ہاں! کیا رپورٹ ہے۔"

"انھیں اندر داخل کر دیا گیا ہے۔ اور انھوں نے اپنا کام شروع کر دیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ انھوں نے وقت کیا بتایا ہے بھلا؟"

"پونے سات۔" اس نے کہا۔

"گویا صرف ۲۲ منٹ باقی ہیں۔"

"ہاں!"

"اور ابھی مہمانِ خصوصی کی تقریر باقی ہے۔ جو چائے کے وقفے کے بعد ہو گی۔ چائے کا وقفہ ہونے میں صرف دو منٹ باقی ہیں۔ دو منٹ بعد پندرہ منٹ کا وقفہ ہو گا۔ مطلب یہ کہ مہمانِ خصوصی کی تقریر شروع ہونے کے صرف پانچ منٹ بعد دھماکا ہونے کا وقت بتایا گیا ہے۔"

"ہاں سر۔" اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"کیا ایسا ہو سکتا ہے اکرام؟"

"کیا کہا جا سکتا ہے۔ ایسا کیوں نہ کریں سر۔ مہمانِ خصوصی کی تقریر باغ میں کروا دیں۔"

"ہم نے ایک ایک چپے کی چیکنگ کرائی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں۔ کسی نے محمود، فاروق اور فرزانہ کو بالکل غلط اطلاع دی ہے۔"

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔ کسی کو ایسا کرنے کی بھلا کیا ضرورت تھی۔"

"میں اس پہلو پر غور کر رہا ہوں۔ خیر کچھ بھی ہو۔ اجلاس کے دوران میں یہاں سے نہیں ہٹوں گا۔ اور چائے کے دوران بھی ایسی جگہ موجود رہوں گا۔ کہ سب پر نظر رہے۔"

"ٹھیک ہے سر۔"

اور پھر اس سربراہ کی تقریر ختم ہو گئی۔ چائے کا وقفہ ہوا۔ سب کے سامنے چائے رکھی گئی۔ ایسے میں خان رحمان اٹھ کر انسپکٹر جمشید کے پاس آ گئے۔ ساتھ میں پروفیسر داؤد بھی چلے آئے:

"بھئی اب تو بیٹھ کر چائے پی لو۔ کیا بت بنے کھڑے ہو۔" خان رحمان بولے۔

"نہیں! میں اپنی جگہ سے حرکت نہیں کروں گا۔" انسپکٹر جمشید نے آنکھیں اپنی جگہ پر رکھے ہوئے کہا۔

"آخر بات کیا ہے؟" پروفیسر بولے۔

"کیا ایسا ہو سکتا ہے پروفیسر صاحب۔ کہ عمارت میں کوئی ٹائم بم رکھ دیا گیا ہو اور ہم اس کو تلاش نہ کر سکے ہوں۔"

"ناممکن۔ ہم نے کوئی جگہ نہیں چھوڑی۔"

"اور کیا۔ ہماری چیکنگ کے بعد نہیں رکھ سکتا۔"

"اب تو کوئی اندر داخل ہی نہیں ہو سکتا۔"

"محمود، فاروق اور فرزانہ داخل ہوتے ہیں۔"

"کیا مطلب۔ کہاں ہیں وہ؟"

"وہ بم تلاش کر رہے ہیں۔"

"لیکن عمارت میں بم نہیں ہو سکتا۔ آخر کون بم رکھے گا۔ جب کہ کوئی غیر متعلق آدمی ہم نے اندر نہیں آنے دیا۔" انھوں نے جلدی جلدی کہا۔

"اس عمارت کے عملے کا کوئی آدمی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اوہ نہیں۔ ہم نے عملے کے ہر آدمی کو بھی چیک کیا تھا۔ ان کے سامان کو بھی دیکھا تھا۔"

"تب پھر کسی نے ان تینوں کو یہ اطلاع کیوں دی؟"

"یہ کسی کی شرارت ہو سکتی ہے۔"

"ہاں! شرارت۔ تاکہ مہمان پریشانی محسوس کریں اور اچھی طرح تقریریں نہ کر سکیں۔ بلکہ یہاں بھگدڑ مچ جائے۔ لیکن ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ اس لیے میں نے کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دی۔"

"اور نہ ہونے دیں گے۔ تم فکر نہ کرو جمشید۔ یہاں بم نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ آپ جا کر اپنی چائے پئیں۔ مجھے

چائے کی کوئی خواہش نہیں ہے۔"

"اور تمھیں چائے کی خواہش ہوتی کب ہے،" خان رحمان نے جل کر کہا۔

"ویسے ہم ذرا باہر کا چکر لگا کر ان تینوں سے ملاقات کر آئیں۔ شاید انھوں نے کوئی بات معلوم کی ہو۔"

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔" وہ بولے۔

خان رحمان اور پروفیسر داؤد بھی چائے کو بھول کر باہر نکل گئے۔ انھوں نے باغ کا ایک چکر لگایا۔ تینوں انھیں کہیں بھی نظر نہ آئے۔

"حیرت ہے۔ وہ تو یہاں کہیں بھی نہیں ہیں۔"

"ایک منٹ! میں اکرام سے پوچھ کر آتا ہوں۔ اس نے انھیں کہاں چھوڑا تھا۔" یہ کہہ کر خان رحمان تیز تیز قدم اٹھاتے اندر گئے اور جلد ہی واپس آ گئے:

"راجا صاحب ان کے بارے میں بتائیں گے۔"

"یہ راجا صاحب کون ہے؟"

"عمارت کا انچارج۔ اور وہ باورچی خانے میں ملے گا۔"

دونوں باورچی خانے میں آئے۔

"راجا صاحب۔ یہاں راجا صاحب کون ہے؟" خان رحمان نے آواز لگائی۔

"ابھی تو یہیں تھے۔ ارے کمال ہے۔ کہاں چلے گئے۔"

"جلدی کریں۔ انھیں تلاش کریں۔ ان سے بہت ضروری کام ہے۔" خان رحمان نے گھبرا کر کہا۔

وہاں موجود کچھ لوگ ادھر ادھر دوڑے۔

"کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔" خان رحمان نے پروفیسر داؤد سے کہا۔

"تم نے تو مجھے بھی ہلا کر رکھ دیا ہے۔ کیا واقعی بم پھٹنے والا ہے۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔ یار جلدی سے آیت الکرسی پڑھ لو۔"

انھوں نے آیت الکرسی پڑھی۔ جلد ہی ملازم واپس آ گئے۔

"راجا صاحب کا تو کہیں پتا نہیں ہے۔"

"آؤ۔ بیرونی دروازے سے پتا کرتے ہیں۔"

دونوں تیز تیز چلتے بیرونی دروازے پر آئے۔ ٹھک ٹھک کی تو اندر سے ملٹری انچارج نے کہا:

"ابھی دروازہ نہیں کھلے گا جناب۔ کانفرنس ختم ہونے تک دروازہ نہیں کھلے گا۔"

"میں دروازہ نہیں کھلوا رہا۔ یہ بتائیں۔ کوئی راجا صاحب باہر تو نہیں گئے؟"

"کوئی باہر کس طرح جا سکتا ہے — جب کہ حکم ہی نہیں ہے۔"

"ارے باپ رے — پھر وہ کہاں غائب ہو گیا۔"

"کیا مطلب — کیا اندر کوئی آدمی غائب ہے؟" باہر سے مارے حیرت کے کہا گیا۔

"ہاں!" انھوں نے کہا اور واپس دوڑ لگا دی — اب وہ پھر باورچی خانے میں آئے — ملازم یہاں حیرت زدہ سے بیٹھے نظر آئے۔

"سنیے — تین بچے تھوڑی دیر پہلے یہاں آئے تھے — راجا صاحب انھیں لے کر کہاں گئے تھے؟"

"جی — تہ خانے کی طرف۔" وہ ایک ساتھ بولے۔

"کیا کہا — تہ خانے کی طرف؟" وہ چونک کر بولے۔

"ہاں جناب!"

"اور تہ خانہ کس طرف ہے — جلدی کرو۔"

وہ تہ خانے کی طرف دوڑ پڑے — انھوں نے دیکھا۔ تہ خانے کے دروازے پر تالا لگا ہوا تھا۔

"یہاں تو تالا لگا ہوا ہے۔"

"ہم کیا کہہ سکتے ہیں جناب۔"

"اس کی چابی کس کے پاس ہے؟"

"راجا صاحب کے پاس۔"

"ارے باپ رے — اس تالے کو توڑنا ہو گا — کوئی ہتھوڑا یا کوئی چیز لاؤ — جلدی کرو۔"

انھوں نے پھر دوڑ لگا دی —

"لیکن بھئی — ہتھوڑے کی ٹھک ٹھک سے مہمان پریشان ہوں گے۔" پروفیسر داؤد پریشان ہو کر بولے۔

"ہوتے ہیں تو ہو جائیں — محمود، فاروق اور فرزانہ کوئی کم قیمتی نہیں ہیں۔" خان رحمان نے جھلا کر کہا۔

وہ کئی اوزار اٹھا کر لے آئے — ان کی مدد سے ٹھک ٹھک بھی نہ کرنا پڑی — اور تالا کھل گیا — وہ تیزی سے نیچے اترے —

"سر — میں خیال کر رہا ہوں کہ باہر کوئی گڑبڑ ہے — میں نے خان رحمان اور پروفیسر داؤد کو پریشان حالت میں اِدھر اُدھر آتے جاتے دیکھا ہے — ایک بار وہ یہ بھی پوچھنے آئے ہیں کہ میں نے محمود، فاروق اور فرزانہ کو کہاں چھوڑا تھا۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"ان حالات میں کیا کیا جائے؟"

"تم باہر جا کر معلوم کرو - کیا بات ہے - میں یہاں سے نہیں ہٹ سکتا۔"

"جی بہتر۔" اکرام نے کہا اور باہر نکلا۔

اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں - محمود، فاروق، فرزانہ، خان رحمان اور پروفیسر داؤد کہیں بھی نظر نہ آئے - اب اس نے اِدھر اُدھر دوڑ لگائی - باورچی خانے کی طرف گیا - وہاں سے اسے پتا چلا - وہ تہ خانے کی طرف گئے ہیں - وہ تہ خانے کی طرف دوڑا -

تہ خانے کا دروازہ کھلا تھا - کچھ لوگ تہ خانے کے اوپر کھڑے تھے - کچھ لوگ نیچے جاتے نظر آئے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے یہاں؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"تہ خانے کا تالا توڑا گیا ہے - اس لیے کہ محمود، فاروق اور فرزانہ کہیں بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔"

"اوہ! تو کیا وہ نیچے ملے ہیں؟"

"سب لوگ ابھی نیچے اُترے ہیں - ہمیں نہیں معلوم - ہم خوف کے مارے نیچے نہیں اُتر سکے۔"

اکرام جلدی سے نیچے اُترا - اس نے حیرت انگیز منظر دیکھا - محمود، فاروق اور فرزانہ تہ خانے کے فرش

پر بے ہوش پڑے تھے - خان رحمان اور پروفیسر داؤد انھیں ہوش میں لانے کی کوشش کر رہے تھے، لیکن ابھی تک وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے -

"حیرت ہے - پتا نہیں کس طرح بے ہوش کیا گیا ہے انھیں۔" خان رحمان نے اکرام کو دیکھ کر کہا۔

"اور وہ راجا صاحب غائب ہے - آخر وہ کس طرح غائب ہو گیا؟"

"یہ بھی کم حیرت کی بات نہیں۔"

"سب سے پہلے انھیں ہوش میں لانا ضروری ہے۔"

"ہاں! یہ ہوش میں آنے کے بعد سب کچھ خود ہی بتا دیں گے۔"

انھیں ہوش میں لانے کی تدبیریں کی گئیں - پھر اکرام کو خیال آیا اور بولا:

"ہال میں ڈاکٹر صاحب بھی موجود ہیں - میں انھیں لے کر آتا ہوں - آپ انھیں اُٹھا کر تہ خانے سے باہر لے آئیں۔"

"اچھی بات ہے۔"

انھیں تہ خانے سے باہر لایا گیا - ڈاکٹر نے آ کر ان کا معائنہ کیا اور کہا:

"ان کی بے ہوشی میری سمجھ سے باہر ہے۔"

"اوہ!" ان سب کے منہ سے نکلا۔

"اور چائے کا وقفہ ختم ہو چکا ہے۔ مہمان خصوصی کی تقریر شروع ہونے ہی والی ہے یا ہو چکی ہو گی۔ گویا ہمارے پاس صرف اور صرف پانچ منٹ باقی ہیں۔ مجھے ان حالات کی خبر انسپکٹر صاحب کو فوراً دینی چاہیے۔"

یہ کہہ کر اس نے ہال کی طرف دوڑ لگا دی۔ ہال میں تو بہر حال اسے اطمینان سے داخل ہونا پڑا۔ پھر وہ سکون سے چلتا ہوا انسپکٹر جمشید کے ساتھ جا کھڑا ہوا اور اس طرح بات کرنے لگا جیسے سرسری انداز میں کوئی بات کر رہا ہو۔

"سر۔ محمود، فاروق اور فرزانہ تہ خانے میں بے ہوش ملے ہیں۔ تہ خانے کے دروازے پر تالا لگا ہوا پایا گیا تھا، تالے کو توڑنا پڑا۔ ڈاکٹر ان کی بے ہوشی کو دور نہیں کر پا رہا۔ اس کا کہنا ہے کہ ان کی بے ہوشی ان کی سمجھ سے باہر ہے۔"

"ہوں!" انسپکٹر جمشید پُر سکون آواز میں بولے۔

"آپ یہ خبریں سن کر بھی پریشان نہیں ہوئے سر۔"

"نہیں اکرام۔ اگر میں پریشان ہو گیا تو اپنی نظریں سب لوگوں پر نہیں رکھ سکوں گا۔"

"آپ۔ عجیب ہیں سر۔" اکرام نے حیران ہو کر کہا۔

"پتا نہیں! میں کیا ہوں۔ کیسا ہوں۔"

"میرے خیال میں تو آپ کو فوری طور پر محمود، فاروق اور فرزانہ کے پاس چلے جانا چاہیے۔ یہاں کوئی خطرہ تو ہے نہیں۔" اکرام نے کہا۔

"خطرہ ہے یا نہیں۔ مجھے یہیں رہنا ہے۔ میں مجبور ہوں یہاں رکے رہنے پر۔" انھوں نے کہا، پھر وہ چونک کر بولے:

"تم جاؤ اکرام۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کے پاس۔"

اکرام نے ایک نظر ان پر ڈالی اور باہر کی طرف چلا گیا۔ ایسے میں انسپکٹر جمشید کی نظریں گھڑی پر پڑیں، وہ حیران رہ گئے۔

پانچ منٹ تقریر شروع ہوئے گزر چکے تھے، لیکن عمارت میں کوئی دھماکا نہیں ہوا تھا۔

نُورکھنگر

دھماکا نہ ہونے کے باوجود انسپکٹر جمشید اپنی جگہ سے نہ ہلے — یہاں تک کہ مہمانِ خصوصی کی تقریر بھی ختم ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی کانفرنس ختم ہو گئی — سب نے مہمانِ خصوصی کو گھیر لیا — اور مبارک باد وغیرہ دینے کا سلسلہ شروع ہوا، ایسے میں بھی انسپکٹر جمشید لوگوں پر نظریں جمائے رہے — یہاں تک کہ مہمانوں کو ان کی خاص کاروں میں بٹھا دیا گیا —

اور جب وُہ کاریں نظروں سے اوجھل ہو گئیں تو انسپکٹر جمشید باغ کی طرف دوڑے — محمود، فاروق اور فرزانہ اب تک وہاں بے ہوش پڑے تھے — خان رحمان، پروفیسر داؤد اور اکرام وہاں موجود وہاں تھے —

"تم نے تو حد کر دی جمشید — ان کے لیے ایک منٹ کے لیے نہیں آئے۔"

"اگر میں ان کے لیے آ جاتا تو سارا کھیل خراب ہو جاتا۔" وُہ بولے —

"کیا مطلب؟"

"میں نے وہاں رہ کر دشمنوں کا منصوبہ بالکل ناکام بنا دیا ہے۔" انھوں نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"پہلے ہم محمود، فاروق اور فرزانہ کی فکر کرتے ہیں — اکرام تم تہ خانے اور باورچی خانے سے انگلیوں کے نشانات اٹھوا لو — شاید ہمیں ضرورت پیش آ جائے۔"

"بہت بہتر سر۔"

"اور ہم انھیں ہسپتال لے کر جاتے ہیں۔"

انھوں نے تینوں کو خان رحمان کی کار میں لٹایا اور ہسپتال لے آئے — ڈاکٹروں نے ان کا معائنہ کیا، لیکن بے ہوشی کی کوئی وجہ سمجھ میں نہ آ سکی — آخر دو گھنٹے بعد وُہ خود بخود ہوش میں آ گئے:

"اُف مالک — ہم کہاں ہیں؟"

"ہسپتال میں — تم لوگ مسلم ہال کے تہ خانے میں بے ہوش پڑے پائے گئے تھے۔"

"اوہ ہاں، یاد آ گیا — ہم جونہی تہ خانے میں اُترے،

کسی نے ہم سے کہا تھا — مجھے تمہارا ہی انتظار تھا اور اس کے ساتھ ہی ہمارے سر زور سے ٹکرائے اور ہم بے ہوش ہو گئے۔"

"اس کا مطلب صاف ہے — راجا صاحب اور اس کا کوئی اور ساتھی مسلم ہال میں غلط لوگ تھے۔ اور وہ اس کانفرنس کے دوران کوئی گڑبڑ کرنا چاہتے تھے۔"

"گڑبڑ — وہ تو ہم بتا چکے ہیں — ٹائم بم۔"

"نہیں — ٹائم بم نہیں پھٹا — وہاں اور بھی کچھ نہیں ہوا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی — کیا کہا — وہاں کچھ نہیں ہوا — پھر کسی کو ہمیں فون کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ عمارت میں ٹائم بم رکھ دیا گیا ہے۔"

"ہاں ؛ وہ ان لوگوں کی ایک چال تھی — وہ چاہتے تھے — بم کی اطلاع ہم سب کو بوکھلاہٹ میں مبتلا کر دے اور ہم مہمانوں کو اپنی نظروں میں نہ رکھ سکیں۔"

"جی کیا مطلب ؟"

"ہاں ؛ وہ چاہتے تھے — ہم ادھر اُدھر ہو جائیں — بم تلاش کرتے پھریں اور وہ اطمینان سے اپنا کام کر گزریں — یعنی مہمانِ خصوصی کو ٹھکانے لگا دیں۔"

"ارے ؟" وہ ایک ساتھ بولے۔

"ہاں ؛ لیکن میں نے ان کا منصوبہ ناکام بنا دیا۔"

"کیا آپ نے مجرم کو گرفتار کرا دیا ؟"

"نہیں — یہ صرف میرا خیال تھا ، اندازہ تھا کہ وہ مہمان خصوصی کو قتل کرنا چاہتے ہیں — اس لیے میں نے اس پر برابر نظر رکھی — اور اس نے بھی یہ بات محسوس کر لی — لہٰذا وار نہ کر سکا — اب خدا جانے وہ کس رُخ سے کس ذریعے سے وار کرے۔"

"پھر اب کیا پروگرام ہے ؟" محمود نے کہا۔

"فی الحال تو یہ سوچنا ہے کہ اس کیس کو کہاں سے شروع کیا جائے۔"

"راجا صاحب سے۔" محمود بولا۔

"اوہ ہاں بالکل — راجا کو تلاش کرنا بہت ضروری ہے ، وہ اس سازش کا مہرہ ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہمیں تمہارے ہوش میں آنے کا انتظار تھا — اب ہم راجا صاحب کو تلاش کریں گے۔" خان رحمان مسکرائے۔

اور پھر وہ مسلم ہال پہنچے — وہاں کے رجسٹر وغیرہ دیکھے گئے — راجا کے گھر کا پتا نوٹ کیا گیا — پھر وہ اس کے گھر پہنچے — اس کی بیوی نے دروازہ کھولا ؛

"ہمیں راجا سے ملنا ہے۔"

"وہ ابھی تک نہیں لوٹے، ہم تو خود پریشان ہیں۔"

"ہوں! ہمیں اس گھر کی تلاشی بھی لینا ہے۔"

"جی تلاشی — وہ کیوں؟"

"راجا صاحب نے ایک جرم کیا ہے۔"

"جرم — ن — نہیں — وہ کیوں جرم کرنے لگے — ان کا کسی جرم سے کوئی تعلق کیوں ہونے لگا۔"

"آپ ہمیں تلاشی دے دیں — ہمارے پاس وارنٹ بھی ہیں۔"

"اچھی بات ہے — میں ایک طرف ہٹ جاتی ہوں۔" اس نے کہا۔

انھوں نے مکان کی تلاشی لی — خاص طور پر راجا کی چیزیں دیکھیں — اس کے کاغذات چیک کیے — انھیں راجا کی چند تصاویر اور کچھ کاغذات مل سکے، لیکن ان سے وہ بھلا کیا فائدہ اٹھا سکتے تھے — آخر مایوس ہو کر باہر نکل آئے — پھر اکرام نے اپنے ایک ماتحت کو فون کیا —

"مکان نمبر ۱۳ جی بہادر روڈ کی نگرانی مسلسل کی جائے گی۔"

"او کے سر!"

"محمود، فاروق، فرزانہ — تم نے تہ خانے میں جو آواز سنی تھی — اس آواز کو دوبارہ سنو تو پہچان لو گے؟"

"ہمارا خیال ہے کہ ضرور پہچان لیں گے۔" محمود نے کہا۔

"تم اس کی کوئی جھلک بھی نہیں دیکھ سکے تھے؟"

"جی نہیں — آواز کے ساتھ ہی ہمارے سر چکرائے تھے، غالباً وہ تہ خانے میں چھپا بیٹھا تھا۔"

"میں تمھیں ایک جگہ لے جانا چاہتا ہوں — مجھے امید ہے، وہاں وہ آواز ضرور سنائی دے گی۔"

"بھئی واہ! اس سے اچھی بات بھلا کیا ہو سکتی ہے — اگر وہ آدمی مل جائے۔"

"اور وہیں شاید راجا بھی مل جائے گا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"تو پھر چلیے۔" فرزانہ بے چین ہو کر بولی۔

وہ انھیں ایک ہوٹل میں لے گئے — سب ہال کی ایک میز کے گرد بیٹھ گئے۔

"اب تمھیں اپنے کان اور آنکھیں کھلی رکھنی ہیں۔" انسپکٹر جمشید دبی آواز میں بولے۔

"آپ کا مطلب ہے — یہاں ہمیں وہ آواز سنائی دے گی — اس شان دار ہوٹل میں؟"

"ہاں؟" وہ بولے۔

"سر! میں یہاں کوئی خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔" اکرام نے گھبرا کر کہا۔

"بہت خوب اکرام — تو تم نے خطرہ محسوس کر لیا۔"

"ہاں! سر — آخر آپ کی صحبت میں رہتا ہوں۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"اور میں تو اندر داخل ہوتے ہی خطرہ محسوس کرنے لگا تھا۔"

"حیرت ہے — پھر محمود، فاروق اور فرزانہ نے کیوں خطرہ محسوس نہیں کیا؟" خان رحمان نے کہا۔

"محسوس ہم بھی کر چکے تھے انکل — ذکر نہیں کیا۔" محمود نے شرما کر کہا۔

"بہت خوب! یہ اچھی بات ہے۔"

"جی — کون سی بات اچھی ہے؟"

"یہ کہ ہم سب خطرہ محسوس کر رہے ہیں — ویسے جونہی ہم اندر داخل ہوئے تھے — ہر بیرہ چوکس چوکس سا نظر آنے لگا تھا — گویا — پورا ہوٹل ہمارا دشمن ہے — گاہکوں کی بات نہیں کر رہا۔"

"آخر کیوں — ہم نے اس ہوٹل اور ہوٹل والوں کا کیا

بگاڑا ہے — یہ ہوٹل کس کا ہے؟"

"اس لحاظ سے یہ بہت پُر اسرار ہوٹل ہے۔"

"سر — لحہ بہ لحہ خطرہ بڑھ رہا ہے۔" اکرام اور گھبرا گیا۔

"ہاں اکرام — تم اپنے ماتحتوں کو ہدایت دے دو — وہ فورس کو بلا لیں۔"

"او کے سر!" اکرام نے کہا اور جیب سے ایک ننھا سا وائرلیس سیٹ خفیہ طور پر نکال کر اس پر اپنے ماتحتوں کو ہدایت دینے لگا۔

"اس کا مطلب تو پھر یہ ہوا کہ یہاں پہلے سے ہمارے استقبال کی تیاریاں کر لی گئی تھیں۔"

"ہاں! ہمارا چالاک دشمن جانتا تھا — ہم یہاں ضرور آئیں گے۔"

"گویا راجا اور وہ تہ خانے والا آدمی بھی یہیں ہیں۔"

"ہاں! انھیں یہاں چھپایا گیا ہے — تاکہ ہم انھیں قابو میں کر کے کچھ اگلوا نہ لیں۔"

"آخر یہ ہوٹل کس کا ہے؟"

"یہ بات پورے شہر میں شاید صرف دو آدمی جانتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے پُر اسرار انداز میں کہا۔

"اور ان میں سے ایک آپ ہیں۔" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں! تم نے درست اندازہ لگایا۔"

"کیا مطلب سر — کیا اس ہوٹل کا مالک نور کھنگر نہیں ہے؟"

"سب لوگ یہی جانتے ہیں کہ نور کھنگر ہوٹل نور کا مالک ہے، لیکن یہ بات صرف اور صرف میں جانتا ہوں — وہ اصل مالک نہیں ہے۔ اصل مالک کوئی اور ہے — اور یہ بات میرے علاوہ کوئی اور جانتا ہے تو نور کھنگر۔"

"یہ باتیں ہمارے لیے حیرت ناک ہیں — آخر آپ کو یہ کس طرح معلوم ہو گیا — کہ یہ ہوٹل نور کھنگر کا نہیں ہے؟"

"نور کھنگر سے میرا واسطہ پڑ چکا ہے — اس سے ایک بار ایک جرم سرزد ہوا تھا — میں نے اسے گرفتار کر لیا تھا، لیکن پھر اس وقت کے صدرِ مملکت نے مجھے حکم دیا کہ میں نور کھنگر کو چھوڑ دوں — میں نے بہت کوشش کی کہ صدر اپنا یہ حکم واپس لے لیں، لیکن میری ایک نہ چلی — اور اسے چھوڑنا پڑا۔"

"لیکن آپ کو یہ کس طرح پتا چلا کہ یہ شخص اس ہوٹل کا مالک نہیں ہے؟"

"جب یہ حوالات میں تھا — بلکہ کمرۂ امتحان میں تو اس پر نیند طاری ہو گئی تھی — اور نیند کے عالم میں اس نے کچھ باتیں کی تھیں — وہ باتیں ہم نے ریکارڈ کر لی تھیں — ان باتوں سے یہ بات ظاہر ہوئی تھی کہ وہ خود ہوٹل کا مالک نہیں ہے۔"

"ہوں — لیکن ابا جان — نیند کے عالم میں کی گئی باتوں کا کیا اعتبار؟"

"ہاں! لیکن پھر میں نے خفیہ طور پر یہ معلوم کرنے کی کوشش کی تھی کہ اس شخص کا تعلق نور کھنگر سے ہے یا نہیں — لہذا تعلق ثابت ہو گیا تھا — نور کھنگر اس کے سامنے غلاموں کے سے انداز میں بات کر رہا تھا — پھر ہوٹل کے حساب میں سے بڑے بڑے بڑے چیک اس آدمی کو جاری ہوتے — اتنے بڑے کہ خود نور کھنگر نے کبھی اتنے بڑے چیک نہیں لیے — لہذا معلوم ہو گیا کہ نور کھنگر فرضی مالک ہے — ہوٹل صرف اس کے نام پر خریدا گیا ہے — لیکن خرید کر دینے والا کوئی اور ہے۔"

"اوہ! اور وہ کون ہے؟"

"یہ میں تم لوگوں کو ابھی نہیں بتاؤں گا — پہلے تو

ہمیں اس خطرے سے نمٹنا ہے ۔ جو چاروں طرف سے ہماری جانب بڑھ رہا ہے۔"

"وہ جرم کیا تھا ۔ جو نور کھنگر نے کیا تھا؟"

"اس ہوٹل کے ذریعے ہیروئن سپلائی کر رہا تھا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"اور پھر بھی صدر صاحب نے اسے چھوڑنے کا حکم دے دیا؟"

"ہاں! اس لیے کہ صدر صاحب ایک بڑے ملک کے دباؤ میں تھے ۔ اور یہ حکم انھیں اس بڑے ملک نے دیا تھا۔"

"کمال ہے ۔ ان لوگوں کے ہاتھ کس قدر لمبے ہیں۔" محمود نے کہا۔

"ہاں! ان کی لمبائی تو ہمارے اندازوں سے بھی زیادہ ہے۔"

"اللہ اپنا رحم کرے ۔ آپ ایک بار پھر ان کے مقابلے پر آ گئے ہیں۔"

"لیکن اب صدر وہ نہیں ہیں ۔ ہماری پسند کے صدر ہیں، اس لیے اب یہ بچ نہیں سکیں گے ۔ اسی لیے تو یہ لوگ اب ہم سے بہت چوکنے ہیں ۔ اگر پہلے والے صدر ہوتے تو اس وقت یہ لوگ ہمیں لفٹ بھی نہ کراتے،

ہماری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتے ۔ مطلب یہ کہ ہم سے یہ کوئی خوف محسوس نہ کرتے۔" انھوں نے جلدی جلدی کہا۔

"ہوں! ٹھیک ہے ۔ یہ ہم سے خطرہ محسوس کر رہے ہیں: اسی لیے ہمارے لیے خطرہ بن رہے ہیں۔"

عین اس وقت ایک بیرا ان کے نزدیک آ کر بولا:

"آپ کو نور کھنگر صاحب بلا رہے ہیں۔"

انھیں چھوڑ دو

انسپکٹر جمشید نے اسے نظر بھر کر دیکھا، پھر بولے :

"وہ خود یہاں کیوں نہیں آجاتے؟"

"اگر آپ یہ پسند کرتے ہیں تو میں آپ کی بات ان تک پہنچا دیتا ہوں۔"

"بالکل ٹھیک — ان سے کہو — یہاں آ کر بات کریں۔"

"جی بہتر!" بیرے نے کہا اور چلا گیا — وہ اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے —

"ہر بیرا ہمیں نشانے پر لیے ہوئے ہے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"اس کا مطلب ہے — اس ہوٹل کا ہر بیرا مسلح ہے۔" محمود نے کہا۔

"ہاں! یہاں آنے سے پہلے ہمیں پوری طرح تیار ہو کر آنا چاہیے تھا — اکرام معلوم کرو — تمہارے آدمی اور

فورس کہاں تک پہنچ چکے ہیں۔"

"جی بہتر!" اکرام نے کہا اور رابطہ قائم کرنے لگا، پھر اس نے کہا :

"وہ ہوٹل کے نزدیک پہنچ چکے ہیں — صرف چند منٹ بعد ہوٹل گھیرے میں ہو گا۔"

اسی وقت لمبے قد کا ایک خوف ناک شکل صورت والا آدمی ان کی طرف بڑھتا نظر آیا — اور پھر ایک کرسی کھینچ کر ان کے سامنے بیٹھ گیا :

"کیا ہے انسپکٹر صاحب — بہت عرصے بعد نظر آرہے ہیں آپ۔"

"ہاں! ہمیں ایک شخص کی تلاش ہے — ہمارا اندازہ ہے کہ وہ یہاں چھپا ہوا ہے۔"

"اس کا نام؟"

"راجا صاحب۔"

"ہم اس نام کے کسی آدمی کو جانتے تک نہیں۔"

"ہمارے پاس اس ہوٹل کی تلاشی کا وارنٹ ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ہو گا — ویسے وارنٹ کو ہم لفٹ نہیں کراتے — آپ پہلے تجربہ کر ہی چکے ہیں۔"

"اب ملک کے صدر وہ نہیں ہیں۔"

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

"وہ کسی بڑی طاقت کے دباؤ میں نہیں آئیں گے۔"

"یہ آپ کا خیال ہے۔ ہمارا نہیں۔"

"تو پھر تلاشی لے لینے دیں۔ اگر وہ آدمی یہاں سے مل گیا تو ہم اسے گرفتار کر لیں گے اور بس۔ اگر تلاشی نہیں لینے دیں گے تو آپ پر بھی کیس بنے گا۔"

"دیکھا جائے گا۔"

"گویا آپ تلاشی نہیں دیں گے؟"

"اس میں ہمارے ہوٹل کی بے عزتی ہے۔ ساکھ خراب ہوتی ہے، گاہک ٹوٹ جاتے ہیں، کاروبار تباہ ہو جاتا ہے۔ کیا آپ یہی چاہتے ہیں؟" اس نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"ہمیں ایسا چاہنے یا نہ چاہنے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں تو اس بات سے غرض ہے کہ یہاں ہمارے ایک مجرم نے پناہ لے رکھی ہے۔ اس وقت تک تو آپ یہ کہ سکتے ہیں کہ ہمیں علم نہیں تھا کہ وہ مجرم ہے۔ لہذا آپ اسے گرفتار کر لیں۔ لیکن ہمارے بتا دینے کے بعد بھی اگر آپ اسے ہمارے حوالے نہیں کریں گے

تو اسے پناہ دینے کا جرم آپ پر عاید ہو جائے گا۔"

"ہم نے یہاں کسی کو کوئی پناہ نہیں دی۔ اور نہ ہم تلاشی دیں گے۔ آپ میرے کمرے میں چل کر میری بات کیوں نہیں سن لیتے۔" اس نے بہت ہی نرم آواز میں کہا۔

"یہاں کہ دینے میں کیا حرج ہے؟"

"ایسی باتیں سب کے سامنے نہیں کہی جا سکتیں۔" اس نے کہا۔

"گویا آپ مجھے رشوت دینے کی بات کریں گے، لیکن انسپکٹر جمشید رشوت نہیں لیتا۔" وہ بولے۔

"پیش کش سن کر آپ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے۔" وہ بولا۔

"میں سننے کے لیے بھی تیار نہیں ہوں۔"

"آپ صرف چند آدمی ہیں۔ میرے آدمی مجھے بتا چکے ہیں کہ ہوٹل کو گھیرے میں نہیں لیا گیا۔ لہذا آپ لوگ کیا کر لیں گے۔ میرے ہر بیرے کے پاس پستول ہے اب بھی معاہدہ کر لیں، ورنہ مفت میں مارے جائیں گے۔" وہ بولا۔

"ہمیں مفت میں مارے جانے کا بہت شوق ہے آپ پریشان نہ ہوں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

عین اس وقت ایک بیرا تیزی سے چلتا نور کھنگر کے پاس آیا۔ اور اس کے کان میں کچھ کہا۔ اس کی بات سن کر اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے:

"اوہ! تو یہ بات بھی ہے" وہ بولا۔

"ہاں سر"

"ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔ اور اسے آزاد کر دو" اس نے کہا۔

"جی بہتر" یہ کہہ کر وہ بیرا جانے لگا۔

"ایک منٹ مسٹر۔ تم نہیں جا سکتے" انسپکٹر جمشید سرد آواز میں بولے۔

"کیا مطلب؟"

"میں جانتا ہوں۔ تم کسے آزاد کرنے جا رہے ہو۔ راجا صاحب کو۔ زندگی سے آزاد کرنے۔ یعنی موت کے گھاٹ اتارنے۔ اس لیے کہ اب مسٹر نور کھنگر کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ پورے ہوٹل کو گھیرے میں لیا جا چکا ہے۔ اب راجا کو فرار تو کرایا نہیں جا سکے گا۔ ہاں اسے موت کے گھاٹ اتار کر کسی گٹر میں بہایا ضرور جا سکتا ہے۔ تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔ لیکن ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ راجا اس کیس کا بہت اہم گواہ ہے اور ہمیں اس کی بہت ضرورت ہے۔"

"تم نے سنا نہیں۔ جاؤ" نور کھنگر چلایا۔

بیرا پھر جانے کے لیے قدم اٹھانے لگا۔ اچانک وہ چیخ مار کر گرا۔ اس کی پنڈلی سے خون کا فوارہ بہ نکلا۔

"یہ۔ یہ آپ نے کیا کیا"

"مسٹر۔ اس وقت آپ بھی میری عین زد پر ہیں۔ اگر آپ کے کسی بیرے نے ذرا بھی حرکت کی تو گولی آپ کے عین دل پر لگے گی" خان رحمان نے سرد آواز میں کہا۔

اب ان کے ہاتھ میں پستول نظر آیا۔ اور اس کا رخ نور کھنگر کے عین دل کی طرف تھا۔

"یہ ریٹائرڈ فوجی ہیں اور نشانہ بازی کے ان گنت مقابلوں میں اپنا لوہا منوا چکے ہیں۔ کیا سمجھے" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

اس کے ساتھ ہی نور کھنگر نے تمام بیروں کی طرف دیکھا۔ انھوں نے بھی اپنے اپنے پستول نکال لیے اور ان کے رخ انسپکٹر جمشید کی طرف کر دیے۔

"اب کیا خیال ہے" نور کھنگر ہنسا۔

"خیال برا نہیں" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا مطلب" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"مطلب یہ کہ ۔ تم اپنے آدمیوں کو حکم دو کہ مجھے شوٹ کر دیں ۔ میرا دوست تمہیں شوٹ کرے گا ۔ ہم لوگ تو ان گنت مرتبہ موت کے منہ سے نکل کر آئے ہیں ۔ تمہارے لیے یہ شاید پہلا موقع ہو گا ۔ ہم تو نہیں ڈرتے موت سے ۔ اب تم اپنا جائزہ لے لو۔"

نور کھنگر سوچ میں ڈوب گیا ۔ پھر اس نے اپنے بیروں سے کہا :

"پستول جیبوں میں رکھ لو ۔ اگر ہوٹل کو چاروں طرف سے گھیر نہ لیا گیا ہوتا تو میں بتاتا انھیں۔ لے لو تلاشی ۔ کچھ نہیں ملے گا۔"

"اکرام تلاشی شروع کرو ۔ راجا کے ساتھ ایک اور آدمی کے ملنے کے بھی امکانات ہیں ۔ خان رحمان تم اسے اسی طرح زد پر لیے رہو گے۔"

"تم فکر نہ کرو جمشید ۔ میری کمر اس وقت دیوار سے لگی ہے ۔ مجھ پر پیچھے سے تو کوئی حملہ کر نہیں سکتا ۔ سامنے سے اگر کوئی کرے گا تو پہلے گولی نور کھنگر کے لگے گی ۔ پھر کسی کی گولی مجھے لگے گی۔"

"کوئی ایسی ویسی حرکت نہیں کرے گا ۔ انھیں تلاشی لے لینے دو۔" نور کھنگر نے کہا ۔

"محمود ، فاروق ، فرزانہ ۔ تم بھی تلاشی لو۔"

"جی بہتر!"

اور پھر ان سب نے تلاشی شروع کی ۔ ایک گھنٹے بعد انھوں نے ہیروئن کی بہت بڑی مقدار پر قبضہ کر لیا ۔ اور ہوٹل کے تہ خانے سے راجا اور ایک اور شخص کو بھی گرفتار کر لیا گیا ۔ راجا کا رنگ بالکل اڑا ہوا تھا ۔ اب نور کھنگر کے ہاتھوں میں بھی ہتھکڑیاں پہنا دی گئیں ۔ تمام بیروں کو گرفتار کر لیا گیا ۔ گاہکوں کو ہوٹل سے فارغ کر کے ہوٹل کو سیل کر دیا گیا ۔

انسپکٹر جمشید ان دونوں کو فوراً کمرۂ امتحان میں لائے ، لیکن ابھی وہاں پہنچے ہی تھے کہ انھیں صدر صاحب کا پیغام ملا ۔

"صدر صاحب آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

"اوہ! تو فون کھڑک گئے۔" وہ بولے ۔

"جی ہاں!"

"فون کی تاریں کاٹ دو ۔ وائرلیس سیٹ بے کار کر دو۔" انھوں نے حکم دیا ۔

"یہ ۔ آپ کیا کر رہے ہیں سر۔"

"پہلے ہم ان دونوں کا بیان لیں گے ، پھر صدر صاحب

سے بات کریں گے — اور بات بھی فون پر نہیں، خود جا کر ملاقات کریں گے — خان رحمان — تم فوراً تمام اخبارات کے رپورٹرز کو بلا لو اور یہ تمام واقعہ انھیں بتا دو — تاکہ وہ صبح کے اخبارات میں اس کہانی کو نمک مرچ لگا کر شائع کر دیں۔"

"اچھی بات ہے۔" خان رحمان نے کہا اور فون کو پکڑ کر بیٹھ گئے۔

انسپکٹر جمشید نے انھیں شکنجے میں کسنے کا حکم دیا — وہ تھر تھر کانپنے لگے:

"آپ ہم سے ایسے ہی پوچھ لیں — ہم سب کچھ بتا دیں گے۔"

"بہت خوب! تہ خانے میں یہی شخص موجود تھا۔"

"ہاں! اسی نے تم تینوں کو بے ہوش کیا تھا — گیس کے ذریعے۔"

"ہوں! تم لوگ مسلم ہال کی چار دیواری سے نکلے کیسے، تہ خانے کو تو تالا لگا ہوا تھا۔"

"ہم نے چار دیواری میں ایک خلا پہلے ہی بنا رکھا تھا — اسے جھاڑیوں سے اس طرح ڈھانپ دیا گیا تھا کہ نظر نہ آ سکے۔" راجا نے بتایا۔

"چلو ٹھیک ہے — اب یہ بتاؤ — تم مسلم ہال میں کب سے ملازم ہو؟"

"بہت مدت سے، لیکن میں شروع سے ہی نورکھنگر کا غلام ہوں، اسی کے حکم پر مجھے یہ ملازمت ملی تھی — مطلب یہ کہ اسی نے کہا تھا کہ میں وہاں ملازمت کروں — اور سفارش اس نے خود کی تھی۔"

"بہت خوب! گویا وہاں ہونے والی تمام اہم کانفرنسوں کی کیسٹیں تم نورکھنگر کو دیتے تھے؟"

"جی ہاں! اس اجلاس سے پہلے ہی اس نے ہمیں ہدایات دے دی تھیں کہ انسپکٹر جمشید کے بچے آئیں گے تو انھیں تہ خانے میں لے جا کر بے ہوش کرنا ہوگا، پھر خود غائب ہو جانا۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا — انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا بھی۔

"کیا اس عمارت میں کوئی ٹائم بم بھی رکھا گیا تھا؟" انھوں نے پوچھا۔

"نہیں! ٹائم بم اگر اس عمارت میں رکھا جاتا تو ہمیں ضرور علم ہوتا۔" اس نے کہا۔

"شکریہ! میرا خیال ہے کہ تم نے تمام باتیں سچ سچ

بتا دی ہیں، لہذا تمہارے ساتھ ضرور رعایت کی جائے
گی۔ ہاں تم اور تو کچھ نہیں بتانا چاہتے؟"
"آپ جو پوچھنا چاہیں، پوچھیں۔ اگر معلوم ہوا تو ضرور
بتائیں گے۔"
"اچھی بات ہے۔ نورکھنگر کس کے لیے کام کرتا ہے؟"
وہ بولے۔
"اپنے لیے۔ وہ کسی کے لیے کام نہیں کرتا۔"
"یہ بات تو خیر تمہاری غلط ہے۔"
"کیا مطلب؟"
"وہ بھی تمہاری طرح کسی کا غلام ہے۔"
"ن۔ نہیں۔" دونوں ایک ساتھ بولے۔
"اور ہم اسی کے چکر میں ہیں۔ نورکھنگر کی گرفتاری
تو ہمارے لیے کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ اصل مجرم کوئی
اور ہے اور اس نے اپنے خلاف کوئی ثبوت نہیں چھوڑ
رکھا۔ آدمی بھی وہ بہت بڑا ہے۔"
عین اس وقت بھاری قدموں کی آواز سنائی دی۔
دوسرے ہی لمحے انسپکٹر جمشید اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔
ان کے محکمے کے آئی جی شیخ نثار احمد چلے آ رہے تھے:
"صدر صاحب کا پیغام مل گیا تھا جمشید؟"

"جی ہاں! مل گیا تھا۔"
"پھر تم نے ان سے رابطہ کیوں نہیں کیا؟"
"فون کے تار کٹ گئے تھے۔ انھیں جوڑا جا رہا ہے،
جونہی تار جڑتے۔ میں فوراً ان سے بات کرتا۔ خیریت
تو ہے؟"
"نورکھنگر کو فوراً چھوڑ دیا جائے۔"
"کیا آپ کو معلوم ہے سر۔ اس کے خلاف کیا
کیس ہے؟"
"چاہے کچھ بھی کیوں نہ ہو، جب ہمارے ملک
کے صدر ہمیں ایک حکم دے دیتے ہیں تو ہمارا کام
ہے، ان کا حکم ماننا۔"
"لیکن اس سے پہلے انھیں صورتِ حال بتانا بہت
ضروری ہے۔ کیونکہ نورکھنگر کی سفارش جس کسی نے بھی
کی ہے، اس نے صدر صاحب کو ساری بات تو بتائی
نہیں ہو گی۔"
"لیکن پہلے نورکھنگر کو چھوڑنا چاہیے۔ ورنہ صدر صاحب
ناراض ہوں گے۔"
"کوئی بات نہیں سر۔ ہم ان کی ناراضی مول لے
سکتے ہیں۔"

"لیکن اس کا ثبوت کیا ہے؟"

"ثبوت بہت جلد آپ کی خدمت میں پیش کروں گا، بہت جلد۔" انھوں نے کہا۔

"لیکن اب ہم صدر صاحب کو کیا بتائیں۔"

"یہی بات جو میں نے آپ کو بتائی ہے۔"

عین اس وقت فون کی گھنٹی بجی:

"اب تم خود بات کرو — یہ ضرور صدر صاحب کا فون ہو گا۔" آئی جی صاحب گھبرا کر بولے۔

"لایئے۔" انھوں نے کہا اور ریسیور لے لیا:

"ہیلو — جمشید یہ تم ہی ہو نا — مجھے بہت افسوس ہے جمشید — تم نہایت غیر ذمے داری کا ثبوت دے رہے ہو۔"

"پہلے آپ میری بات سن لیں سر۔"

"ضرور کیوں نہیں۔"

"اب بتائیں — سر — کیا کرنا چاہیے۔" ساری بات بتا کر وہ بولے:

"میں نے کہا نا — ان تینوں کو چھوڑ دو۔"

"ساری بات سن کر بھی آپ یہ کہہ رہے ہیں۔"

"ہاں جمشید — تم نہیں جانتے — مجھ پر کس قدر دباؤ ہے۔" انھوں نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"جی ہاں سر — میں انھیں نہیں چھوڑوں گا — پہلے ساری تفصیل بتاؤں گا، اگر پھر بھی یہی حکم ملا تو اور بات ہے، لیکن اس صورت میں میں استعفیٰ دے دوں گا اور اس کے بعد ان لوگوں کی زندگیوں کی کوئی ضمانت نہیں دی جا سکے گی۔"

"یہ — یہ تم میرے سامنے کہہ رہے ہو۔" انھوں نے چونک کر کہا۔

"ہاں! سر — آپ سے کہہ رہا ہوں — ان کے خلاف الزام ہی اس قدر سنگین ہے۔"

"ایک منٹ کے اندر اندر بتاؤ جمشید، ایسا نہ ہو کہ صدر صاحب کا فون آ جائے اور وہ مجھ پر بھی بگڑیں، تم پر تو بہت خفا ہے انھیں۔"

"تو پھر سنیے۔"

انھوں نے کہا اور جلدی جلدی کہتے چلے گئے — آئی جی صاحب کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں:

"تو ان لوگوں کا پروگرام کانفرنس ہال میں کیا تھا؟"

"مہمانِ خصوصی کو ہلاک کرنے کا، لیکن میں نے اپنی نظریں نہیں ہٹائیں۔"

"اچھی بات ہے سر — میں انھیں چھوڑے دیتا ہوں۔ لیکن کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں — میں آ کر آپ کو کچھ اور باتیں بتاؤں"

"ہاں ضرور — تم جب چاہو، آ سکتے ہو"

"اچھی بات ہے سر — جو آپ کا حکم"

ریسیور رکھ کر انھوں نے ایک لمحے کے لیے سوچا، پھر فون پر کسی کے نمبر ملائے اور بولے:

"کمرۂ امتحان تین عدد" یہ کہہ کر انھوں نے ریسیور رکھ دیا۔

"یہ — یہ تم نے کسے فون کیا ہے؟" آئی جی صاحب بولے۔

"جی — اپنے ایک دوست کو"

"لیکن کیوں — تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"بس دیکھتے جائیں سر"

"سنو جمشید — تم کوئی غلط کام نہیں کرو گے — صدر صاحب نہ جانے کس حد تک مجبور ہیں"

"انھیں کوئی کچھ نہیں کر سکے گا — سر — ہم ان تینوں کو رہا کر رہے ہیں"

"اور یہ تینوں یہاں سے بخیریت ہوٹل نور تک پہنچنے چاہییں" آئی جی صاحب بولے۔

"یہ بالکل پہنچیں گے — اسی لیے تو میں نے باہر نگران

مقرر کیے ہیں — ذرا سوچیں — اگر یہ ہمارے ملک کے صدر کو پھانسنے کا منصوبہ ہے — تو وہ شخص انھیں اغوا کر کے پھر اس بڑی طاقت کو یہ کہے گا کہ جناب — صدر نے آدمی نہیں چھڑوائے — یا چھڑوائے تو اس طرح کہ انھیں ذرا دیر کے لیے چھوڑا اور پھر اغوا کرا لیا — اس صورت میں صدر صاحب کیا ہم پر نہیں بگڑیں گے" انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

"اوہ! جمشید اوہ — میں نے اس پہلو کی طرف غور نہیں کیا تھا"

"لہٰذا میں نے باہر ان کی حفاظت کا انتظام کیا ہے — ابھی ہم باہر نکلیں گے تو سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے — اس مرتبہ ہمارا سامنا حد درجے چالاک مجرم سے ہے — وہ اپنے خلاف کوئی ثبوت چھوڑنے کا عادی نہیں ہے — جب تک ہم اس سے سرزد ہونے والی کوئی غلطی پکڑ نہیں لیتے، اس وقت تک وہ ہمارے قابو میں نہیں آ سکے گا اور قابو میں آنے کے بعد پھر ہمیں اس بڑی طاقت کا دباؤ برداشت کرنا ہو گا — ان تمام باتوں پر غور کرنے کے بعد ہی میں اس کیس پر کام کر رہا ہوں — یہ بھی بتائے دیتا ہوں کہ اصل

مجرم کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"کیا کہا۔ جانتے ہو؟" وہ چلائے۔

"ہاں! لیکن میرے پاس اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اور مجھے ثبوت حاصل کرنا ہے۔"

"اچھا جمشید۔ ٹھیک ہے۔ اب میں کوئی اعتراض نہیں کروں گا۔ میں پوری طرح تمہارے ساتھ ہوں، اگر تمہیں ملازمت سے نکالا گیا تو میں بھی تمہارے ساتھ استعفیٰ دوں گا۔"

"نہیں سر۔ آپ ایسا نہیں کریں گے۔ اس صورت میں تو میں بالکل بے یارومددگار ہو جاؤں گا۔"

"اچھا خیر۔ تم جو کہو گے، میں وہ کروں گا۔"

"بہت۔ بہت شکریہ سر۔"

اب انھوں نے وائرلیس پر رابطہ کیا۔ اور بولے:

"تینوں باہر آ چکے ہیں یا نہیں؟"

"یس سر!" کہا گیا۔

"کمرۂ امتحان سے دو آدمی باہر نکالے جا رہے ہیں، ان پر کوئی قاتلانہ حملہ کرائے گا۔ اور الزام ان پر حملے کا مجھ پر ڈالنا چاہتا ہے۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں۔ دونوں بخیریت اپنے ہوٹل تک پہنچا دیے جائیں۔"

"ایسا ہی ہو گا سر۔ ہم پہلے ہی بند گاڑی لے کر آئے ہیں۔ حفاظت کا دوسرا سامان بھی ساتھ ہے۔ اگر حملہ ہوا تو ہم نبٹ لیں گے۔"

"میں آئی جی صاحب کے ساتھ کچھ فاصلے پر ہوں گا۔ زیادہ پریشان ہونے کی بھی ضرورت نہیں۔"

"بہت بہتر سر۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"تم پوری طرح تیار ہو یا ابھی چند منٹ بعد انھیں نکالا جائے؟"

"نہیں سر۔ بھیج دیں۔"

"شکریہ!" انسپکٹر جمشید نے کہا اور سیٹ آف کر دیا۔

"بہت خوب جمشید! تمہاری یہ خفیہ فورس حیرت انگیز ہے۔" آئی جی صاحب بولے۔

"یہ بالکل پرائیویٹ ہے سر۔ میں ان سب کو اپنے پلے سے تنخواہ دیتا ہوں۔"

"کیا!!! یہ بات تو آج میں پہلی مرتبہ سن رہا ہوں۔" وہ بولے۔

"جی۔ وہ۔ بس ایسے ہی منہ سے نکل گئی یہ بات۔" انسپکٹر جمشید نے شرما کر کہا۔

"لیکن تم اتنے اخراجات کس لیے کرتے ہو۔ اور کیسے؟"

"اللہ تعالیٰ کی بہت مہربانی ہے سر۔ باپ دادا کے زمانے کی زمینیں ہیں، ان سے جو آمدنی ہوتی ہے اسے مُلک اور قوم کے لیے اسی طرح صرف کرتا ہوں۔ ان لوگوں کو مُلک دُشمن عناصر کے مقابلے پر لا کھڑا کرتا ہوں — جہاں قانون میرا ساتھ نہیں دیتا — ان سے کام لیتا ہوں۔"

"ہوں — اچھا اب چلو — ورنہ صدر صاحب کا پھر فون آ گیا تو بہت ہتک ہو گی۔"

"چھوڑ دو بھئی انھیں۔" وہ بولے۔

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی:

"دیکھا! میں نے کہا تھا نا۔" آئی جی بولے، پھر کہا:

"صدر صاحب کو اس قدر بے تابی کا مظاہرہ بھی نہیں کرنا چاہیے۔"

"میں انھیں لے کر نکل رہا ہوں — آپ ان سے کہہ سکیں گے کہ انسپکٹر جمشید ان دونوں کو لے کر جا چکا ہے۔"

"اچھی بات ہے — جلدی کرو۔"

اسی وقت انسپکٹر جمشید نور کھنگر اور راجا صاحب کو لے کر باہر نکل گئے اور ان سے بولے:

"تم نے اندر ہونے والی ساری گفتگو تو سُن ہی لی،

تمھارا باس اب تم پر قاتلانہ حملہ کرائے گا — اور تمھیں ختم کرا کے یہ الزام مجھ پر لگائے گا کہ حملہ میں نے کر دیا ہے — جب کہ میں تمھاری حفاظت کا انتظام کر کے نکل رہا ہوں۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا — باس ہمیں ختم نہیں کرائے گا، ہم اس کے دائیں بازو ہیں۔" نور کھنگر نے کہا۔

"کیا تم جانتے ہو — باس کون ہو؟"

"صرف اور صرف میں جانتا ہوں، لیکن میں بتاؤں گا نہیں۔" اس نے کہا۔

"نہ بتاؤ — قانون ایک دن اسے گھیر ہی لے گا۔"

"یہ بات بھی ممکن نہیں ہے — تمھارے مُلک کا قانون تو اسے ہاتھ بھی نہیں لگا سکے گا۔" نور کھنگر نے منہ بنا کر کہا۔

"خیر اگر تم زندہ رہے تو میں تمھیں دکھاؤں گا۔ آج سے، اسی وقت سے میں تمھارے باس کے خلاف اعلانِ جنگ کرتا ہوں — زندہ رہے تو میرا یہ پیغام اسے دے دینا۔"

"ہم ضرور زندہ رہیں گے — وہ ہمیں ہرگز ہلاک نہیں کرے گا۔"

"میں راجا صاحب کے بارے میں تو کچھ نہیں کہہ سکتا،

لیکن وہ تمھیں اب ضرور ہلاک کرے گا، کیونکہ تم اس کے بارے میں جانتے ہو۔" انھوں نے کہا۔

نور کھنگر کچھ نہ کہہ سکا۔

وہ دفتر کی عمارت سے باہر آ گئے۔ وہاں ایک بند گاڑی بالکل تیار کھڑی تھی۔ انھیں پچھلے حصے میں بٹھا کر تالا لگا دیا گیا۔ اور پھر گاڑی چل پڑی۔ اسی وقت آئی جی صاحب باہر نکلے:

"صدر صاحب تھے۔ یہ سُن کر مطمئن ہو گئے کہ انھیں رہا کر دیا گیا ہے۔"

"آپ نے میرا خیال تو انھیں نہیں بتایا۔ یہ کہ ان پر حملہ ہو گا۔"

"بتا دیا ہے۔ اور یہ بھی بتا دیا کہ حفاظت کے لیے ہم خود جا رہے ہیں۔"

"اچھا کیا آپ نے۔ آئیے اب چلیں۔"

دونوں کار میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہوئے۔ بند گاڑی اس وقت تک کافی دور جا چکی تھی؛ تاہم نظروں میں تھی۔ باقی لوگ تیسری گاڑی میں ان کے پیچھے تھے۔ ابھی نصف میل دور گئے ہوں گے کہ ایک زبردست دھماکا ہوا۔ کسی نے بم مارا تھا۔ بند گاڑی پوری طرح

ڈول گئی۔ گرتے گرتے بچی اور پھر تیر کی طرح نکلتی چلی گئی:

"بہت خوب! اس کا تو بم نے بھی کچھ نہیں بگاڑا۔"

"جی ہاں! صرف بلٹ پروف ہی نہیں۔ گاڑی بم پروف بھی ہے نا۔" انسپکٹر جمشید ہنسے۔

"حملہ آور تو اپنا سا منہ لے کر رہ گئے ہوں گے۔"

"وہ دیکھیے۔ وہ فرار ہو رہے ہیں۔ لیکن میں ان کی اس چال میں بھی نہیں آؤں گا۔"

"چال۔ کیا مطلب؟"

"اب ان کی چال یہ ہے کہ ہم ان دونوں کو بھول کر ان کا تعاقب کریں۔ لیکن میں اور آپ بند گاڑی کے پیچھے ہی جائیں گے۔ البتہ تیسری گاڑی ان کا تعاقب کرے گی۔" یہ کہہ کر انھوں نے محمود، فاروق اور فرزانہ کو اشارہ دیا۔ انھوں نے بھی اشارے میں جواب دیا۔ اور اپنی گاڑی دھماکا کرنے والوں کی گاڑی کے پیچھے لگا دی۔ وہ پہلے ہی اپنی گاڑی ایک ذیلی سڑک پر موڑے کھڑے تھے۔ دھماکا کرتے ہی نکل گئے تھے۔ اگر یہ لوگ بھی بالکل تیار نہ ہوتے تو ان کا تو پتا بھی نہ چلتا۔

"اب کیا۔ پھر حملہ ہو گا جمشید؟" آئی جی صاحب نے حیران ہو کر کہا۔

گاڑی کی رفتار بہت زیادہ تھی، لیکن انسپکٹر جمشید بھی کوئی کم ماہر ڈرائیور نہیں تھے۔ اس مہارت سے گاڑی چلا رہے تھے کہ آئی جی صاحب بھی حیرت میں ڈوبے جا رہے تھے۔

"میں نے اس قدر بہترین انداز میں اس قدر تیز رفتار پر گاڑی چلاتے کسی اور کو نہیں دیکھا۔"

"بس سر۔ یہ سب اللہ کی مہربانیاں ہیں۔"

"تم بلاوجہ مشہور نہیں ہو جمشید۔ تم میں بہت خوبیاں ہیں۔" آئی جی صاحب بولے۔

"شکریہ سر۔"

عین اس وقت اگلی گاڑی نے ایک اور موڑ مڑا اور جب وہ موڑ مڑ کر سڑک پر پہنچے۔ تو اگلی گاڑی غائب تھی۔

"ارے۔ وہ۔ وہ تو غائب ہو گئی۔"

"اس کا مطلب ہے۔ وہ اسی سڑک پر کسی کوٹھی میں داخل ہوئے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"حیرت ہے۔ اس قدر جلد۔" آئی جی صاحب بولے۔

"جی ہاں! کسی کوٹھی کا دروازہ اگر کھلا ہو تو یہ کیا مشکل ہے۔ رفتار کے حساب سے ہمارے موڑ مڑنے سے پہلے وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو سکتے تھے۔ لہٰذا ہیں وہ یہیں کہیں۔

میرا خیال ہے کہ ہوگا، لیکن میرا خیال غلط بھی ہو سکتا ہے۔"

"میں نے تو آج تک تمہارے اندازے غلط ہوتے نہیں دیکھے۔" وہ مسکرائے۔

"میں بھی آخر انسان ہوں سر۔" وہ بولے۔

"خیر ابھی دیکھتے ہیں۔"

اور پھر ایک کلو میٹر کے فاصلے پر ایک دھماکا بالکل اسی انداز کا پھر ہوا۔ گاڑی پھر اٹھتے اٹھتے بچی۔

"اب ان حملہ آوروں کا تعاقب کون کرے گا؟"

"ہم۔ اس لیے کہ اب بند گاڑی ہوٹل کے پاس پہنچ چکی ہے۔ یہ تینوں ان دونوں کو بخیریت پہنچا ہی دیں گے۔ اگرچہ ہم ان حملہ آوروں سے کچھ بھی معلوم نہیں کر سکیں گے۔ لیکن پھر بھی انھیں گرفتار تو کرنا ہی چاہیے۔"

"لیکن جمشید۔ وہ تو نکلے جا رہے ہیں اور ہمیں ابھی اس سڑک پر مڑنا بھی ہے۔ اس وقت تک تو وہ نظروں سے اوجھل ہو جائیں گے۔" آئی جی صاحب گھبرا کر بولے۔

"دیکھا جائے گا سر۔" انسپکٹر جمشید نے پُرسکون آواز میں کہا۔

اور پھر وہ اس گاڑی کے تعاقب میں لگ گئے۔ اگلی

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے رفتار آہستہ کر لی۔ اب وہ دونوں سمت سڑک کے کناروں پر دیکھ رہے تھے۔ ایک جگہ ٹائروں کے بالکل تازہ نشانات نظر آئے۔ انھوں نے اپنی گاڑی فوراً روک لی۔

"میرے خیال کے مطابق۔ وہ اس کوٹھی میں داخل ہوئے ہیں۔"

"دیکھ لیتے ہیں۔ گیٹ تو بند ہے۔"

"گیٹ بند کرنے میں کیا دیر لگتی ہے سر۔" یہ کہہ کر انھوں نے دستک دی۔ دروازہ جلد ہی کھلا۔ دروازہ کھلتے ہی انھوں نے اندر ایک سرخ رنگ کی کار کھڑی دیکھی۔ جب کہ وہ سیاہ رنگ کی کار کا تعاقب کرتے ہوئے آئے تھے۔

یہ دیکھ کر آئی جی صاحب پریشان ہو گئے۔

"یہاں کون صاحب رہتے ہیں؟"

"جی۔ شیروانی صاحب۔" ملازم نے کہا۔

"پورا نام کیا ہے بھئی؟" انھوں نے جھلا کر کہا۔

"امجد شیروانی۔"

"اوہو۔ امجد شیروانی صاحب۔ سیاسی لیڈر۔ حکومت کی ساتھی جماعت کے رہنما۔" آئی جی صاحب چونکے۔

"جی ہاں!" ملازم نے کہا۔

"لیکن دروازے پر نام کی تختی نہیں لگی ہوئی۔"

"ہمارے صاحب ایسی باتوں کے قائل نہیں ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ یہ ہمارے کارڈ لے جائیں اندر۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور دونوں نے کارڈ نکال کر اسے دے دیے۔ وہ لے کر اندر چلا گیا۔

"میرا خیال ہے۔ تم نے غلط کوٹھی کے دروازے پر گاڑی روکی ہے جمشید۔ یہ بہت نیک آدمی ہے۔"

"میں نے کب کہا ہے۔ کہ بد ہے۔ لیکن کار اسی کوٹھی کے اندر آئی ہے۔"

"تم نے ٹائروں کے نشانات دیکھ کر یہ اندازہ لگایا ہے، ہو سکتا ہے۔ سرخ کار بھی ابھی ابھی آئی ہو۔"

عین اس وقت دروازہ کھلا۔ دونوں حیرت زدہ رہ گئے۔

یہ کیا ہو رہا ہے

ان کی کار نہایت کامیابی سے تعاقب کر رہی تھی، کار خان رحمان چلا رہے تھے اور یہ تھی بھی ان کی بڑی کار۔

"کیا خیال ہے بھئی۔ انھیں راستے میں ہی پکڑ لیا جائے؟" انھوں نے کہا۔

"نہیں انکل۔ ہم بُرے کو اس کے گھر تک چھوڑ کر آنے کے عادی ہیں۔ ہم دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ کہاں جاتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے، پھر میں رفتار کم کر لیتا ہوں۔"

"جی ہاں! یہی بہتر ہے۔ انھیں تعاقب کا احساس تک نہ ہونے دیں۔"

"او کے۔" خان رحمان مسکرائے۔

"ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کیس کا اونٹ

کس کروٹ بیٹھے گا۔ ویسے یہ گرگٹ کی طرح رنگ بدل رہا ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"وہ کیسے؟" پروفیسر داؤد مسکرائے۔

"ہمیں اطلاع ملی تھی کہ مسلم ہال کو بم سے اڑا دیا جائے گا، لیکن نہیں اڑایا گیا۔ البتہ وہاں ہمیں ضرور بے ہوش کر دیا گیا۔ ابا جان کا خیال ہے کہ یہ سارا ڈراما اس لیے کیا گیا کہ وہ پریشان ہو جائیں، لیکن وہ پریشان نہیں ہوئے۔ اس لیے ان کا یہ منصوبہ ناکام ہو گیا۔ اس ڈرامے کے دوران ایک شخص مجرم پارٹی کا راجا صاحب سامنے آیا۔ لیکن وہ مسلم ہال سے غائب ہو گیا۔ اب پتا نہیں ابا جان نے کس طرح اندازہ لگا لیا کہ وہ ہوٹل نور میں چھپا ہوا ہے۔ بہر حال اسے وہاں سے برآمد کیا گیا۔ ساتھ ہی ہوٹل نور کے نقلی مالک کو گرفتار کیا گیا۔ یہ بات بھی ابا جان نے بتائی تھی کہ ہوٹل دراصل نور کھنگر کا نہیں، کسی اور کا ہے۔ پھر صدر صاحب نے حکم دیا کہ ان دونوں کو چھوڑ دیا جائے۔ یہاں ابا جان نے پہلے ہی اندازہ لگا لیا کہ ان دونوں پر قاتلانہ حملہ کیا جائے گا۔ اور اب ہم حملہ کرنے والوں کا تعاقب کر رہے ہیں۔ ان

واقعات کی روشنی میں کیا یہ نہیں کہا جائے گا۔ کہ یہ کہیں گرگٹ کی طرح رنگ بدل رہا ہے۔"

"بھئی بدلنے دو۔ ہمارا کیا جاتا ہے۔ ہم نے بھی بہت کیس دیکھے ہیں۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"اوہو۔ یہ حضرت تو۔ شاید کالونی کی طرف مڑ گئے ہیں۔ کالونی۔ جو بہت بڑے لوگوں کی آبادی ہے۔" پروفیسر داؤد نے چونک کر کہا۔

"ہو گی انکل۔ ہمیں کیا۔" محمود نے کہا۔

"یہ تو ویسے بھی ظاہر ہے کہ یہ لوگ کسی بڑے آدمی کے لیے کام کر رہے ہیں۔ جو صدر صاحب پر زبردست دباؤ ڈلوا سکتا ہے۔"

"تت۔ تو کیا۔ ہم بہت جلد مجرم سے ملنے والے ہیں۔" فاروق نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"خیر۔ اس بارے میں ابھی کیا کہا جا سکتا ہے۔"

اسی وقت کار ایک بڑی کوٹھی میں داخل ہو گئی۔

"مزا آ گیا۔ شاید انھیں تعاقب کا شبہ تک نہیں ہوا۔ ورنہ اس طرح کوٹھی میں داخل نہ ہو سکتے۔" فرزانہ نے کہا۔

"دیکھتے ہیں ابھی۔" اکرام نے کہا اور کار اس کوٹھی کے

باہر رک گئی۔ محمود نے نیچے اتر کر گھنٹی بجائی۔ جلد ہی ایک باوردی ملازم باہر نکلا:

"یہ کار سردار حیات خان صاحب کی ہے؟" اکرام نے دروازے پر لگی نام کی تختی پر نظر ڈالی۔

"ہاں جناب۔ فرمایئے۔"

"وہ ابھی کہیں سے آئے ہیں؟"

"نہیں جناب! وہ تو بہت دیر سے گھر پر ہی ہیں، کیوں کیا بات ہے؟"

"یہ کار ابھی ابھی آئی ہے اندر۔"

"کار تو ابھی ابھی ڈرائیور لے کر آیا ہے۔ کار میں کچھ خرابی تھی۔ ڈرائیور اسے ورکشاپ لے کر گیا تھا۔"

"اوہ اچھا۔ ڈرائیور کا نام کیا ہے؟"

"خیر تو ہے۔" اس نے چونک کر کہا۔

"ہاں خیریت ہی ہے۔ ڈرائیور کا نام؟"

"آخر بات کیا ہے؟"

"یہ ہمارے کارڈز سردار حیات خان تک پہنچا دیں۔ بات ہم انھیں بتائیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔ آپ لوگ تشریف رکھیے۔ میں کارڈ انھیں دیتا ہوں۔"

انھیں ایک کمرے میں بٹھا کر وہ چلا گیا۔ دو منٹ بعد آیا اور انھیں اندر کی طرف لے چلا۔ ڈرائنگ روم میں بٹھا کر وہ پھر غائب ہو گیا۔ آخر بڑی بڑی مونچھوں والا لمبے قد کا ایک آدمی اندر داخل ہوا:

"آپ حضرات مجھ سے ملنا چاہتے ہیں؟"

"اگر آپ سردار حیات خان ہیں تو۔" محمود نے کہا۔

"ہاں! میں سردار حیات ہی ہوں۔" انھوں نے کہا۔

"یہ کار جو باہر کھڑی ہے۔ آپ کی ہے؟"

"میں نے دیکھا نہیں کہ باہر کون سی کار کھڑی ہے۔" وہ بولے۔

"کیا آپ کے گھر میں ایک وقت کئی کاریں موجود ہوتی ہیں اور وہ آپ کے علاوہ کسی اور کی بھی ہوتی ہیں؟"

"میرے ایک دوست بھی اپنی کار یہاں کھڑی کرتے ہیں۔ ان کے گھر میں جگہ کم ہے۔ دو کاریں میری اپنی ہیں، اس لیے میں نے کہا تھا کہ پتا نہیں، باہر کون سی کار کھڑی ہے۔"

"ہوں! باہر سفید رنگ کی مزدا کھڑی ہے۔"

"تب وہ میری اپنی ہے۔ ڈرائیور نے آج دن میں بتایا تھا کہ اس میں کچھ خرابی ہے، لہٰذا وہ ابھی ابھی

اسے لایا ہوگا۔ میں نے ابھی اسے نہیں دیکھا۔ نہ وہ میرے پاس آیا۔ بات کیا ہے؟

"آپ کافی محتاط بات کرنے کے عادی لگتے ہیں۔"

"آپ کے انداز سے میں کچھ ڈر گیا ہوں۔ اور یہ سوچنے پر مجبور ہوں کہ کہیں ڈرائیور کسی کو کچل نہ آیا ہو۔ بہرحال میں اس کے ساتھ نہیں تھا۔"

"آپ مہربانی فرما کر اپنے ڈرائیور کو بلائیں۔"

"تو آپ بتائیں گے نہیں۔ بات کیا ہے؟"

"بتائیں گے، لیکن ڈرائیور کے سامنے۔"

"اچھی بات ہے۔" یہ کہہ کر سردار حیات خان نے گھنٹی کا بٹن دبایا۔ فوراً ہی ایک شخص اندر داخل ہوا، اس نے ڈرائیور کی وردی پہن رکھی تھی۔

"جی سر!"

"یہ کیا۔ گھنٹی کے جواب میں تم کیوں آ گئے۔ اچھا بیگ کیوں نہیں آیا؟"

"میں اس طرف سے گزر رہا تھا۔ پہلے میں اندر آ گیا۔"

"چلو خیر۔ کام بھی تم سے ہے۔"

"جی فرمائیے۔"

"یہ لوگ تم سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔"

"سفید رنگ کی مزڈا ابھی ابھی چلاتے ہوئے اس کوٹھی میں داخل آپ ہوئے ہیں نا؟"

"جی ہاں! کیوں۔ کیا ہوا؟"

"آپ کار کہاں سے لیے چلے آ رہے ہیں؟"

"سیدھی ورکشاپ سے۔"

"ورکشاپ کا نام، پتا، فون نمبر؟" محمود نے کہا۔

"بات کیا ہے؟"

"بات بھی بتائیں گے۔ پہلے جو پوچھا جا رہا ہے، اس کا جواب دیں۔" اکرام نے سرد آواز میں کہا۔

"کیا مطلب؟ آپ مجھ سے اس لہجے میں بات کیوں کر رہے ہیں؟"

"اس لیے کہ ہمارا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے ہے۔"

"کیا!!" سردار حیات خان اور ڈرائیور ایک ساتھ چونک کر بولے۔

"ہاں! اب بتائیں۔"

"ورکشاپ کا نام۔ خواجہ آٹو ورکشاپ ہے۔ ۱۰ سرکلر روڈ پتا ہے اور فون نمبر ہے ۹۴۳۹۹۱۔"

"کیا ہمیں فون کرنے کی اجازت ہے؟"

"ضرور کیوں نہیں۔"

محمود نے فوراً ہی نمبر ملائے۔ دوسری طرف سے خواجہ آٹوز کا لفظ سن کر اس نے کہا:

"سردار حیات خان کے ڈرائیور آج گاڑی لے کر آپ کے پاس آئے تھے؟"

"جی ہاں بالکل۔"

"وہ کس وقت یہاں سے گئے ہیں؟"

"انھیں گئے ہوتے تو تین گھنٹے ہو گئے ہیں۔"

"شکریہ۔" یہ کہہ کر محمود نے ریسیور رکھ دیا اور ڈرائیور کی طرف دیکھا:

"تو آپ نے ورکشاپ سے یہاں تک کا فاصلہ تین گھنٹے میں طے کیا ہے؟"

"کیا مطلب؟" سردار حیات نے چونک کر کہا۔

"ورکشاپ سے بتایا گیا ہے کہ یہ وہاں سے تین گھنٹے پہلے چلے ہیں، جب کہ ان کا بیان ہے، یہ ورکشاپ سے چلے آ رہے ہیں۔ ان حالات میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے یہ فاصلہ تین گھنٹے میں طے کیا ہے۔"

"کیوں جناب؟" اکرام نے سرد آواز میں کہا۔

"نہیں! میں ایک دوست کے ہاں چلا گیا تھا۔"

"بہت خوب! اس دوست کا نام پتا۔ فون نمبر؟"

"افسوس! میں اپنے دوست کا نام پتا نہیں بتا سکتا۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"لیکن کیوں؟"

"آپ اسے پریشان کریں گے۔"

"نہیں! ہم اس سے صرف یہ پوچھیں گے کہ آپ اس کے پاس آئے تھے یا نہیں۔ یہ پوچھنے سے بھلا وہ کیوں پریشان ہونے لگا۔"

"ہاں! بات تو ٹھیک ہے۔ خالد میاں۔ بھلا وہ کیوں پریشان ہو گا۔"

"آپ اسے نہیں جانتے سر۔ وہ بہت حساس آدمی ہے، ضرور پریشان ہو جائے گا۔"

"لیکن جناب! آپ اس وقت قانون کے محافظوں سے بات کر رہے ہیں، آپ کو اپنے دوست کا نام پتا بتانا ہی ہو گا، ورنہ ہم آپ کو گرفتار کر لیں گے۔"

"نہیں!" اس نے خوف زدہ انداز میں کہا۔

"تو پھر بتائیں۔"

"اس کا نام حامد سرفراز ہے۔ شوکت ٹاؤن میں رہتا ہے، فون نمبر ۳۹۴۴۳ ہے۔"

اب محمود نے یہ نمبر ملائے۔ اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ اس کے خیال میں ڈرائیور پینترے بدل رہا تھا۔ سلسلہ ملنے پر اس نے کہا:

"کون صاحب بات کر رہے ہیں؟"

"میرا نام محمود ہے۔ آپ کے دوست کے بارے میں معلوم کرنا تھا ذرا۔"

"کون سے دوست کے بارے میں؟"

"خالد میاں اِدھر تو نہیں آئے آج؟"

"جی ہاں۔ وہ اِدھر نہیں آیا۔ کیوں۔ کیا بات ہے؟"

"بس کچھ نہیں۔" یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا اور پھر ڈرائیور کی طرف دیکھا:

"اس کا تو کہنا ہے۔ کہ آپ اس کی طرف نہیں گئے۔"

"ہاں؛ میں جھوٹ بول رہا تھا۔ دراصل میں ایک جوئے خانے میں جوا کھیلنے چلا گیا تھا۔ مجھے یہ بُری عادت ہے۔" اس نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"کیا بک رہے ہو تم۔ تم جوا کھیلتے ہو؟"

"جج۔ جی ہاں!"

"تب تم میری ملازمت کے قابل نہیں۔ اسی وقت نکل جاؤ۔" انھوں نے چلا کر کہا۔

"ایک منٹ جناب! آپ انہیں اسی وقت نکل جانے کا حکم نہیں دے سکتے — ملازمت سے بے شک نکال دیں۔" اکرام نے منہ بنایا —

"اوہ ہاں! یہ تو میں بھول ہی گیا — آپ کو اس سے پوچھ گچھ کرنا ہے — میرا بہرحال اب اس سے کوئی تعلق نہیں رہ گیا۔"

"وہ اور بات ہے — مسٹر خالد میاں — اب آپ کیا کہتے ہیں؟"

"میں نے بتایا تو ہے — میں ایک جوئے خانے میں تھا۔" اس نے کہا۔

"اگر جوئے خانے سے بھی اس بات کی تصدیق نہ ہو سکی۔" محمود نے آنکھیں نکالیں۔

"وہاں سے تصدیق ہو گی بھی نہیں — اس لیے کہ وہاں تو ہر کوئی منہ چھپا کر جاتا ہے — منہ چھپا کر نکل آتا ہے — سب کو ایسا کرنے کا حکم ہے۔"

"اچھا — کیا نام ہے اس جوئے خانے کا — ذرا ہم بھی وہاں جا کر دیکھیں گے۔"

"سیون سٹار کلب۔"

"سردار حیات خان صاحب — ہمیں آپ کے ڈرائیور کی

ضرورت ہے — یہ ہمارے سوالات کے معقول جواب نہیں دے سکے — ہم پولیس اسٹیشن لے جا کر ان سے کچھ معلومات حاصل کرتے ہیں — امید ہے، آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

"ٹھیک ہے — لے جائیں — میں تو اسے ویسے ہی ملازمت سے نکال چکا ہوں۔"

"چلیے جناب۔"

"نہیں نہیں — میں آپ لوگوں کے ساتھ نہیں جاؤں گا — نہ جانے آپ میرے ساتھ وہاں کیا سلوک کریں گے۔"

"اگر آپ نے ہماری باتوں کے بالکل درست جوابات دے دیے تو ہم آپ کو کچھ نہیں کہیں گے — یہ ہمارا وعدہ ہے۔"

"میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گا — کیا آپ کے پاس میری گرفتاری کے وارنٹ ہیں؟"

"نہیں — ہمارے پاس وارنٹ نہیں ہیں، لیکن ہماری برانچ کو وارنٹ کی ضرورت نہیں ہوتی — اس لیے کہ ہم کسی بے گناہ کو گرفتار نہیں کرتے — ہمارے پاس کچھ خصوصی اجازت نامے ہیں — ان کی رو سے ہم آپ کو وارنٹ کے بغیر لے جا سکتے ہیں — آپ کے فائدے میں اب بھی یہ بات ہے کہ آپ ہمارے ساتھ شریفانہ انداز

دیں پیچھے چلیں۔"

"ہوں — اچھا — ٹھیک ہے — آئیے۔"

یہ کہ کر وُہ تیزی سے اٹھا اور دوڑ کر کمرے سے نکل گیا۔

"خبردار — گولی مار دوں گا۔" اکرام نے چلا کر کہا اور اس کے پیچھے دوڑا — محمود، فاروق اور فرزانہ نے بھی دوڑ لگا دی —

"ارے ارے — یہ کیا ہو رہا ہے میرے گھر میں۔" سردار حیات نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"آپ پریشان نہ ہوں۔" خان رحمان بولے۔

جلد ہی وُہ اسے پکڑ لائے اور پھر گاڑی میں بٹھا کر دفتر لے آئے —

پہلا حصّہ ختم ہوا۔

فائدے کی بات

- ان شاء اللہ آیندہ ماہ آپ "یقینی خطرہ" (۱۰ روپے)، "قیدی کا اسرار" (۱۰ روپے)، "دوہرا ڈوپ" (۱۰ روپے)، "دو تیر ایک شکار" (۱۰ روپے)، "مسئلہ کشمیر اور فتنۂ قادیانیت" (۱۰ روپے)، "قاتل ایس تیرہ" (۱۰ روپے)، "لفافے کا راز" (۱۰ روپے)، "ایشیا کا جلاد" (۱۰ روپے) اور "انصاف کا خون" (۱۰ روپے) پڑھیں گے۔ ان تمام کتب کی قیمت ۹۰/- روپے ہے، لیکن ادارے سے منگوانے پر آپ کو یہ تمام کتب صرف ۵۰ روپے میں ملیں گی۔
- اگر آپ انسپکٹر جمشید سیریز کے نئے چار ناول منگوانا چاہتے ہیں تو ادارہ آپ سے ۴۰ روپے کی بجائے ۳۱ روپے وصول کرے گا۔
- ناول بذریعہ وی پی ارسال کیے جاتے ہیں۔
- پوسٹ مین آپ سے رعایتی قیمت سے ۵ روپے زائد وصول کرے گا۔ اس طرح آپ کو ناول گھر بیٹھے ملنے کے ساتھ ساتھ نئے چار ناولوں پر ۴ روپے اور مکمل سیٹ پر ۱۰ روپے بچت ہو گی۔
- ہے نا فائدے کی بات — خط لکھ کر آرڈر نوٹ کروائیں — شکریہ!

آرڈر بھیجنے کا پتا:

اشتیاق پبلی کیشنز، ۹/۱۲ نصیر آباد، سانده کلاں، لاہور

— ملکی نمبر پر ۱۰۰، ۱۰۰ روپے کے پانچ انعامات —

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۵۵۳

یقینی خطرہ

مصنف: اشتیاق احمد

- سر پھروں سے ملیے۔
- وہ کون تھے — آپ ان سے اچھی طرح واقف ہیں۔
- شہر کے ایک بہت بڑے ہال میں ملک کے چیدہ آدمیوں کی میٹنگ تھی۔
- لیکن اس ہال کو دشمن بموں سے اڑا دینا چاہتا تھا۔
- انسپکٹر جمشید کا فیصلہ یہ تھا کہ میٹنگ اسی ہال میں ہو گی — اور اسی فیصلے پر عمل کیا گیا۔
- پھر کیا ہوا — ایک خوف ناک ناول۔
- ۲۰ نومبر کو پڑھیے — قیمت: دس روپے۔

— کئی نمبروں پر ۱۰۰۰، ۱۰۰۰ روپے کے پانچ انعامات —

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۵۵۴

قیدی کا اسرار

مصنف: اشتیاق احمد

- ○ محمود، فاروق اور فرزانہ انشارجہ کے ایک ہوٹل میں کھانے کی میز پر موجود تھے —
- ○ محمود نے کھانے کا برتن اٹھایا اور فرش پر پٹخ دیا، پھر تینوں نے وہ ہڑبونگ مچائی کہ خدا کی پناہ —
- ○ ان پر مقدمہ چلا کر جیل بھیج دیا گیا —
- ○ جیل میں ان کی ایک قیدی سے ملاقات —
- ○ حیرتوں سے بھرپور اور مہمات سے پُر ایک ناول —
- ○ آخر میں آپ اچھل ہی تو پڑیں گے —
- ○ ۲۰ نومبر کو پڑھیے — قیمت: دس روپے —

— کئی نمبروں پر ۱۰۰۰، ۱۰۰۰ روپے کے پانچ انعامات —

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۵۵۵

دوہرا رُوپ

مصنف: اشتیاق احمد

- ○ انسپکٹر جمشید کے دفتر میں ایک بڑے آدمی کی آمد —
- ○ ان کے گھر کی سیف سے سرکاری فائلیں چرائی جا رہی تھیں —
- ○ فائلیں کون چرا رہا تھا —
- ○ انسپکٹر جمشید کے دفتر کی میز پر ایک گل دستہ موجود تھا اور اس میں بم تھا —
- ○ کوئی ان کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا —
- ○ یہ کہانی آپ کو دھوکا دے جائے گی —
- ○ آپ مجرم کو پہچان نہیں پائیں گے —
- ○ ۲۰ نومبر کو پڑھیے — قیمت: دس روپے —

— کئی نمبر پر ۱۰۰۰ روپے کے پانچ انعامات —

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۵۵۶

دو تیر ایک شکار

مصنف : اشتیاق احمد

- اس نے اخبار میں اپنے قتل کیے جانے کی خبر پڑھی اور حیران رہ گیا۔
- اس کی لاش پولیس کو مل گئی تھی۔
- پولیس نے دو مجرم بھی گرفتار کر لیے تھے اور انھوں نے اسے قتل کرنے کا اقرار بھی کر لیا تھا۔
- اور وہ سوچ رہا تھا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔
- آپ خود سوچیے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔
- اگر نہیں سوچ سکتے تو پھر ناول کا انتظار کریں۔
- ۲۰ نومبر کو پڑھیے۔ قیمت : دس روپے۔

آیندہ کتاب کی ایک جھلک

۲۰ نومبر کو پڑھیے | قیمت : ۱۰ روپے

متفرق سلسلہ ۲۰

نئی نسل — نیا ادب

مسئلہ کشمیر
— اور —
فتنہ قادیانیت

مؤلف : عبیدالرحمٰن

- ایک بالکل اچھوتے انداز کی کتاب۔
- ختم نبوت کے پروانوں کے لیے۔

○ کتاب کے عنوانات سے ہی پتا چل جاتا ہے کہ کتاب میں کیا کچھ ہے۔ عنوانات ملاحظہ فرمائیں:

قادیانیت انگریز کا خود کاشتہ پودا — کشمیر میں فتنۂ قادیانیت کا آغاز — قادیانی خلیفۂ اوّل حکیم نورالدین کی ریاست کشمیر میں سازشیں — قادیانیوں کی کشمیر میں دلچسپی کیوں؟ — کشمیر میں تحریکِ آزادی کا آغاز اور قادیانی سازشیں — کشمیر کمیٹی، قادیانی جماعت کی گھناؤنی چال — علامہ اقبال اور کشمیر کمیٹی — مکروہ پروپیگنڈہ — حد بندی کمیشن اور قادیانی فتنہ کا کردار — بیّن ثبوت — قادیانی اُمّت اور کشمیری مہاجرین — کشمیر میں قادیانیوں کا ابلیسی رقص — کوٹلی (آزاد کشمیر) میں قادیانی سازشیں — عبرت ناک سانحہ — فرقان بٹالین — قادیانی اسلام اور ملک دونوں کے غدار ہیں — فرقان بٹالین محاذِ کشمیر پر — فرقان بٹالین کو ربوہ سے کشمیر میڈل — غدارِ وطن سر ظفر اللہ خان قادیانی کا گھناؤنا کردار — ایک قادیانی آزاد کشمیر کا صدر بن گیا — فتنۂ قادیانیت اور سردار عبدالقیوم خان — غدارِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ — ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ اور قادیانی — غدار ابنِ غدار — کشمیر میں خون ہو گئی قادیان کی آرزو — بھارت، کشمیر اور قادیانی — اسرائیل اور قادیانی کا نفوذ کشمیر میں — قادیانی آزادیٔ کشمیر کے دشمن — یہ غفلت کی چادر کب تک؟

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز نمبر ۳۱

فائل ایس ۱۳

مصنف: اشتیاق احمد

○ آئی جی شیخ نثار احمد صاحب نے ایک فائل منگوائی۔
○ فائل کا نمبر ایس ۱۳ تھا۔
○ لیکن فائل ایس ۱۳ ریکارڈ سے غائب تھی۔
○ ریکارڈ کیپر نے ریکارڈ کو کھنگال ڈالا، لیکن فائل ایس ۱۳ نہ ملی۔
○ انسپکٹر جمشید فائل کی تلاش میں نکلتے ہیں۔
○ فائل کہاں تھی؟
○ فائل میں ایسی کیا بات تھی کہ اسے غائب کیا گیا۔
○ فائل کی تلاش میں آپ کے کردار گھن چکر بن گئے۔
○ ۲۰ نومبر کو پڑھیے — قیمت: دس روپے۔

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۳۳

لفافے کا راز

مصنف: اشتیاق احمد

- محمود، فاروق اور فرزانہ قصبہ خان نگر کے ہوٹل میں موجود تھے۔
- ہوٹل میں ایک غنڈہ داخل ہوا۔
- فاروق کو اس غنڈے کے شاگرد کے روپ میں دیکھیے۔
- غنڈے نے فاروق کو ایک نیا نام دیا، نام جان کر آپ ہنسے بغیر نہ رہیں گے۔
- غنڈہ کون تھا۔
- شہر کے ایک رئیس کی تجوری سے تمام زیورات کے ساتھ ایک لفافہ بھی غائب تھا اور پھر لفافے کے لیے ایک خونی کھیل کھیلا گیا۔
- ۲۰ نومبر کو پڑھیے۔ قیمت: دس روپے۔

آیندہ ناول کی ایک جھلک

آفتاب، آصف، فرحت اور انسپکٹر کامران مرزا سیریز ۱۱

ایشیا کا جلّاد

مصنف: اشتیاق احمد

- ایشیا کے جلّاد کا نام آپ نے سب سے پہلے "سولہ تیر تین فائر" میں سنا تھا۔
- اس کے بعد وہ آپ کے سامنے "وادیٔ دہشت" میں آیا۔
- لیکن اس کا انسپکٹر کامران مرزا یا انسپکٹر جمشید سے براہ راست آمنا سامنا نہیں ہوا۔
- لیکن اس بار وہ باقاعدہ انسپکٹر کامران مرزا کے مقابل آ رہا ہے۔
- اس کا منصوبہ کیا تھا؟
- حیرتوں سے لبریز ناول۔
- ۲۰ نومبر کو پڑھیے۔ قیمت: دس روپے۔

آیندہ ناول کی ایک جھلک

شوکی سیریز ۱۱

انصاف کا خون

مصنف : اشتیاق احمد

- مرتے ہوئے ایک شخص نے انھیں بُلایا تھا۔
- وہ ان سے کیا چاہتا تھا۔
- شوکی برادرز اس سے مُلاقات کرنے گئے تو عجیب حالات کا شکار ہو گئے۔
- اس مرتبہ شوکی برادران کو قدم قدم پر زبردست شکست کا سامنا کرنا پڑا۔
- وہ ان دنوں تنگ دستی کا شکار تھے، لیکن کیوں ؟
- یہ تو آپ انصاف کا خون پڑھنے پر ہی جان سکیں گے۔
- ۲۰ نومبر کو پڑھیے ۔۔ قیمت : دس روپے۔

آیندہ خاص نمبر کی ایک جھلک

۲۰ دسمبر کو پڑھیے | قیمت ۱۲ روپے

خاص نمبر ۳۱

محمود، فاروق، فرزانہ، انسپکٹر جمشید، آفتاب،
آصف، فرحت، انسپکٹر کامران مرزا اور
شوکی برادرز کی مشترکہ مہم

دلدل میں سفر

مصنف : اشتیاق احمد

- برف کے اس پار کے بعد ایک اور ضخیم خاص نمبر۔
- گزشتہ خاص نمبر اکثر قارئین کو ڈھونڈے نہیں ملا تھا۔ کچھ قارئین اب تک اسے تلاش کر رہے ہیں۔ اس صورتحال سے بچنے کے لیے بک سٹال پر قیمت جمع کرا دیں یا پھر ادارے کو اپنا آرڈر فوری طور پر نوٹ کروا دیں۔
- بک سٹال مالکان پہلے ہی اپنا آرڈر ارسال کر دیں۔ بصورت دیگر ان کی ضرورت پوری نہ کی جا سکے گی۔
- خاص نمبر دلدل میں سفر کی جھلکیاں آیندہ ماہ کے ناولوں میں ملاحظہ فرمائیں۔

آئینِ بے وفائی

مصنف : اشتیاق احمد

○ "آئین بے وفائی" صرف ایک ناول نہیں — ایک حقیقت ہے — سو فی صد حقیقت —

○ لیکن یہ حقیقت کس کی ہے — آپ کے محبوب مصنف کی یا اس کے کسی عزیز کی — یہ تو آپ "آئین بے وفائی" پڑھ کر ہی اندازہ کر سکیں گے —

○ جن لوگوں نے ناول پڑھا ، ان کی آرا آپ ناولوں کے آخر میں پڑھ سکتے ہیں —

○ پہلی فرصت میں پڑھنے کے قابل ناول — آپ ایک بار شروع کرنے کے بعد ہاتھ سے نہیں رکھ سکیں گے —

○ اور آپ کو یہ بات تسلیم کرنا پڑے گی — یہ ناول مصنف نے اپنے خون سے تحریر کیا ہے —

○ اپنے بک سٹال یا لائبریری سے طلب کریں — کہیں نہ ملے تو دفتر سے رعایتی قیمت ، روپے میں بذریعہ وی پی منگوائیں۔

"آئین بے وفائی" پر موصول ہونے والے خطوط میں سے چند ایک —

○

محترم جناب اشتیاق احمد صاحب

السلام علیکم ! اُمید ہے ، آپ خیریت سے ہوں گے ۔ آپ نے "آئین بے وفائی" لکھ کر اپنے دل و دماغ سے جو بوجھ اتار پھینکا ہے ، اس کے بعد تو خیریت ہی ہونی چاہیے ۔ کل (۱۲ ستمبر) کو آئین بے وفائی کی صورت میں جو ناول موصول ہوا ، وہ آپ کی اپنی کتابِ حیات کا ایک باب ثابت ہو گا ، اس کا تو ہمیں وہم و گمان بھی نہ تھا ۔ اس ناول کو پڑھ کر ہمارے ذہن کی بہت سی گرہیں کھل گئیں ۔ چند صفحات پڑھتے ہی آپ کے تین ناولوں "مقتول کون" ، "زندہ مقتول" اور "سات چھینکیں" کی دو باتیں ہمارے ذہن کے پردے پر کسی فلم کی مانند چلنے لگیں ۔ زندہ مقتول کی دو باتیں آپ کے دوست کی اگر کچھ فروتیں کچھ کام آپ کے ذریعے پورے ہوتے ہیں ۔

اُن کو روک دیجیے ، اُن میں رخنہ ڈال دیجیے ۔۔۔ بہت ہی سچّا اور کھرا دوست ہے ، ورنہ نہیں۔"

سات چھینیں: "کبھی کبھی انسان کی بہت قیمتی چیز کھو جاتی ہے ، اپنی الجھن کے لیے آپ سے دعا کرا رہا ہوں۔"

مقتول کون: "اس لڑکی کی فرمائش پر یہ ناول لکھا ... وہ لڑکی مجھ سے بہت دُور ہو گئی ، میں کم ازکم اتنا تو کر سکتا ہوں کہ یہ ناول اس کے نام منسوب کر دوں ، اس طرح اس کی یاد تو دُور نہیں جا سکے گی۔"

اس ناول کا انتساب: "اُس لڑکی کے نام جسے میں صرف لڑکی کہہ کر پکارتا تھا ، نام لے کر نہیں — اور وُہ مجھے صرف انکل!"

یہ تمام دو باتیں جب ہم نے پڑھی تھیں ، تو یہ ہمیں عجیب الجھن میں مبتلا کر گئی تھیں ۔ ایک بھول بھلیاں محسوس ہوتی تھیں ، جس نے ہمیں چکرا کر رکھ دیا تھا ، لیکن اب آئینہ بے وفائی پڑھ کر ذہن ایک دم روشن ہو گیا ۔ کڑی سے کڑی ملتی گئی اور زنجیر تیار ہو گئی ۔ اب سمجھ میں آیا وہ تمام دو باتیں آئینہ بے وفائی کا دیباچہ تھیں ۔

ناول کا گیٹ اپ ، سرورق ، پیش کش کا انداز مناسب اور پُرکشش ہے ، رنگوں کا انتخاب بھی خوب ہے ۔ ناول کے پہلے ہی صفحے پر ہمارے پسندیدہ مصنف جامی صاحب کے روپ

میں موجود تھے ۔ آپ نے لکھا ہے کہ اس ناول کے کرداروں کا نام تبدیل کر رہا ہوں ، لیکن شاید قلم اور ذہن کی مطابقت قائم نہ رہ سکی ، کیونکہ صفحہ نمبر ۱۱۹ پر لکھا ہے : "نوید ان دنوں بہت اُداس رہنے لگا ہے۔" اس ناول میں "نوید" سے مکمل تعارف حاصل ہوا ۔ ہم تو اسے ابھی تک "بچہ" ہی سمجھتے تھے ، یہ نہ معلوم تھا کہ وہ ستاروں پر کمند ڈال چکا ہے ۔ سچ تو یہ ہے کہ نوید سے ان کارناموں کی توقع نہ تھی ۔

اس ناول میں چند باتیں ایسی ہیں جو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کرتی ہیں ، مثلاً خان صاحب کے گھرانے کی صورت میں خود غرضی کی جو مثال پیش کی گئی ہے ، وہ آج ہمارے معاشرے میں عام ہے ۔ مادّہ پرستی ، خود غرضی اور بے مروّتی آج کل ہمارے اردگرد مجسّم چلتی پھرتی نظر آتی ہیں ۔ اعلیٰ سے اعلیٰ اور نچلی سے نچلی سطح پر رہنے والا ہر شخص خود غرضی کے مظاہرے میں پیش پیش نظر آتا ہے ۔ اعلیٰ سطح پر اس کا اظہار قومی بجٹ ، ٹیکس ، مہنگائی ، وزرا کی مراعات میں اضافے ، تعیشات ، ڈیگ ، ادب کے جہاز کی خریداری اور چار کروڑ کی لاگت سے بننے والے باتھ روم ، پھر آٹھویں ترمیم ، بجلی کی بڑھا نگی ، لانگ مارچ اور ہڑتال کی صورت میں ہوتا ہے ، جبکہ نچلی سطح پر اس کا مظاہرہ بالکل اسی صورت میں

ہوتا ہے، جیسا کہ خان صاحب نے جامی صاحب کے ساتھ کیا۔ مسئلہ یہ ہے کہ اس چکر میں اخلاق مند اور با مروّت لوگ مارے جاتے ہیں۔ وضع دار اور شریف آدمی بے چارہ جانتے بوجھتے ہوئے بھی اپنی مروّت کے ہاتھوں مجبور ہوتا ہے اور خاموش رہتا ہے۔ لوگ اس خاموشی کو اس کی بے وقوفی خیال کر کے اس پر چڑھ دوڑتے ہیں، خود غرضی کی چھری سے اُسے حلال کرنا شروع کر دیتے ہیں، یہی کچھ اس ناول میں جامی صاحب کے ساتھ ہوا۔

دوسرا اہم اور بنیادی نکتہ جس کی طرف خود بخود توجہ مبذول ہوتی ہے، ہمارے موجودہ معاشرے میں پروان چڑھنے والی مخصوص معاشرت کا ہے۔ اپنی تہذیب سے بے اعتنائی اور مغرب کی تہذیب سے ذہنی مرعوبیت کا نتیجہ وہی نکلتا ہے جس کی جھلک خان صاحب کے گھر کے ماحول میں ملتی ہے۔ اس قسم کا ماحول ہمارے معاشرے کے اکثر گھرانوں میں نظر آتا ہے۔ لوگ دقیانوسی اور قدامت پرستی کے الزام سے بچنے کے لیے بے جا آزادی کی روش اختیار کرتے ہیں، لیکن وہ نہیں جانتے کہ یہ راہ کتنی پُرخطر ہے اور اس راہ پر چلنے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے؟ ہمارے یہاں یہ تصور عام ہے کہ ہمارے مذہب اور مشرقی تہذیب میں کسی قسم کی آزادی

نہیں، محض پابندیاں ہی پابندیاں ہیں۔ ان پابندیوں سے فرار حاصل کرنے کے لیے لوگ مغرب کی "آزاد خیالی" کا سہارا لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ مغرب میں جا کر تو سورج بھی غروب ہو جاتا ہے، پھر ہم جیسے انسان کیوں نہ غرق ہوں گے۔ سورج کی پہلی کرن مشرق سے پھوٹتی ہے اور مشرق کے ناعاقبت اندیش باسیوں کی آنکھیں مغرب کی مصنوعی روشنیوں سے چندھیائی جا رہی ہیں۔ اس قسم کی صورتِ حال کی تصویر کشی آئین بے وفائی میں ملتی ہے۔

خان صاحب کے گھرانے نے تو "مادر پدر آزادی" کی زندہ مثال پیش کر دی۔ ساتویں کلاس کی بچّی کی اس درجہ بے تکلفی جو بے باکی کی حدود میں داخل ہو رہی تھی، سخت اچنبھے کا باعث بنی۔ یہ بات سمجھ میں نہ آ سکی کہ جامی صاحب کو اس قدر "آزاد خیال" لڑکی بطور بہو کیونکر پسند آ گئی جو چھوٹی سی عمر میں ہر قسم کی اخلاقی اور تہذیبی حدود پار کرتی نظر آ رہی تھی۔

ایک اور بات یہ کہ خان صاحب کا گھرانہ تو بے باک، آزاد خیال اور مغربی تہذیب کا دلدادہ تھا، جہاں مشرق کی اخلاقی قدروں کو کوئی اہمیت حاصل نہ تھی، لیکن جامی صاحب کا گھرانہ جو مشرقی تہذیب کا حامل گھرانہ تھا، اس گھر میں

"وہی بیٹے کھلائے جانے والے" مناظر کیونکر دیکھے اور برداشت کیے گئے۔ کم از کم دوپہر کو کسی دوسرے کے گھر سونے کا عمل تو یقیناً لائقِ تنبیہہ تھا، لیکن یہاں ایسا کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا گیا۔ اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ اولاد کی محبت انسان کو مجبور کر دیتی ہے اور جامی صاحب بھی اسی مجبوری کا شکار ہو گئے ہوں گے۔

خان صاحب کی خودغرضی اور مفاد پرستی مختلف واقعات سے ظاہر ہوتی رہی۔ انھوں نے گاڑی کو اسی بے دردی سے استعمال کیا، جس طرح وہ جامی صاحب کو استعمال کر رہے تھے۔ شاید اسی کو کہتے ہیں، "مالِ مفت دلِ بے رحم"۔ گاڑی واپس لینے کے بعد خان فیملی نے جس طرح کینچلی بدلی، اس کی مثال تو کوئی سانپ ہی دے سکتا ہے۔ جہاں مادی چیزیں اخلاقیات پر بھاری پڑنے لگیں، اُس معاشرے کی فضا نفسی کا کیا عالم ہوگا؛ اس کا اندازہ کرنا چنداں دشوار نہیں۔ سونے پر سہاگہ یہ کہ جامی صاحب کا جہیز لے کر اپنا گھر تو روشن کر لیا اور پھر انھیں جامی صاحب کا گھر تاریک نظر آنے لگا۔ غالباً اندھیروں سے مراد جامی صاحب کے گھر کے ماحول اور حالات تھے، حالانکہ جامی صاحب تو گھر تک علٰحدہ کرنے پر راضی تھے، مگر خودغرضی نے خان صاحب کی آنکھوں پر ایسی پٹی باندھی تھی کہ

انھوں نے اس پُرخلوص پیش کش کو بڑی بے اعتنائی اور بے مروّتی سے ٹھکرا دیا۔ ویسے اگر حقیقت پسند بن کر سوچا جائے تو یہ ایک لحاظ سے اچھا ہی ہوا کہ اس خودغرض اور بے مہر خاندان نے خود ہی کنارہ کر لیا اور دامن جھٹک کر الگ ہو گئے۔ اس سے جامی صاحب کو وقتی صدمہ تو ضرور ہوا، لیکن اس کے نتیجے میں وہ کسی بڑے صدمے سے بچ گئے۔ نقصان کا عمل جتنا طویل ہو، نقصان اتنا ہی شدید ہوتا ہے۔

صفحہ نمبر ۱۰۹ پر یہ جملے: "انھیں اپنی جوانی کے دن یاد آنے لگے، جب انھیں بالکل اسی انداز میں ستایا گیا تھا، لیکن اس وقت وہ ناول نگار نہیں تھے" کسی جاسوسی ناول کا سا سسپنس پیدا کر گئے۔ گویا آپ رومانی ناول میں بھی سسپنس پیدا کرنے سے باز نہیں آئے۔ ویسے اگر اس ناول میں جامی صاحب کے اہلِ خانہ یعنی بیگم اور باقی بچّوں (طاہر کے بہن بھائیوں کا) ردِعمل اور تاثرات بھی ظاہر کیے جاتے تو زیادہ اچھا ہوتا، لیکن چونکہ یہ "واردات" جامی صاحب اور ان کے بیٹے طاہر پر گزری تھی، لہٰذا ان ہی کو بنیادی اہمیت دی گئی اور مرکزی کرداروں کے طور پر کہانی ان ہی کے گرد گھومتی رہی۔

"تم مجھے چانس پر رکھنا چاہتی ہو" طاہر کا یہ جملہ [illegible] کی روح ثابت ہوا۔ سیدھے سادے واضح [illegible]

معاشرے میں ہمیشہ "ویٹنگ لسٹ" پر رہتے ہیں۔ اس انتظار میں کہ کب دوسرے ان کی شرافت پر ایمان لائیں اور کب انھیں ان کا جائز مقام ملے۔ بہرحال اس موقعے پر طاہر نے "نو ویکنسی" کا بورڈ لگا کر بروقت صحیح قدم اٹھایا اور دانش مندی کا ثبوت دیا۔ ایک چھوٹی سی لڑکی نے چالاکی، عیاری اور مفاد پرستی کی جو مثالیں قائم کیں، وہ یقیناً اسے "ورثے" میں ملی تھیں، لیکن ان خصوصیات نے اس کا مستقبل تاریک کر دیا۔ خان صاحب کو جو اندھیرے جامی صاحب کے گھر میں نظر آتے تھے، وہ مستقل طور پر ان کی بیٹی بلکہ پورے گھرانے کا مقدر بن گئے۔ ناول میں انجام کے طور پر آپ نے مستقبل کی جو جھلک دکھائی ہے، وہ یقیناً اس صورتِ حال کا منطقی انجام ثابت ہوگی۔ غرضیکہ حقیقتاً یہ ایک سبق آموز ناول ہے، جس کی روشنی سے کئی گھروں کے اندھیرے دور ہو سکتے ہیں۔ آپ نے یہ ناول لکھ کر نہ صرف اپنا ذہنی بوجھ ہلکا کر دیا ہے، بلکہ ایک اصلاحی قدم بھی اٹھایا ہے۔

ایک بات یہ کہ آپ کی سلجھی ہوئی اور متحمل مزاج شخصیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم نے بے دھڑک اپنی رائے کا اظہار کیا ہے، لہذا اگر تبصرے کی روانی میں قلم سے کوئی

ایسی بات سرزد ہو گئی ہو جو ناگوارِ خاطر گزرے تو اس کے لیے پیشگی معذرت قبول کیجیے۔ امید ہے، اس خط کی رسید دے کر آپ اس بات کا اظہار ضرور کریں گے کہ یہ تبصرہ آپ کے دل و دماغ پر بوجھ نہیں بنا۔

اب سنائیے! دیگر احوال کیا ہیں؟ طاہر معاف کیجیے گا، نوید آج کل کیا کر رہا ہے؟ تعلیمی سلسلہ جاری ہے یا نہیں، اگر جاری ہے تو کہاں تک پہنچا؟ لکھیے گا۔ آفتاب بھائی اور بھابی کیسے ہیں؟ تمام اہلِ خانہ کی خدمت میں حسبِ مراتب سلام دعا پیش کر دیجیے۔ اب اجازت چاہتی ہوں۔ والسلام:

نائلہ صدیقی، پی ای سی ایچ ایس، کراچی

○

محترم اشتیاق احمد صاحب

السلام علیکم: "آئینِ بے وفائی" پڑھا۔ بلکہ شروع کیا تو ایک ہی نشست میں پڑھ ڈالا۔ بہت پسند آیا۔ مبارک باد قبول فرمائیں۔ اسی طرح آپ اگر ہر تین ماہ کے بعد ایک ناول دیتے رہیں تو بہت اچھا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ مجھے یقین ہے کہ باقی قارئین نے بھی اسے پسند کیا ہوگا۔ والسلام:

ڈاکٹر سعید مختار

گزشتہ ماہ کے ناول

۵۴۳ ـــ مجرمانہ قدم	انسپکٹر جمشید سیریز	۱۰	روپے
۵۴۴ ـــ کہانی کے مجرم	//	۱۰	//
۵۴۵ ـــ خوف کی بستی	//	۱۰	//
۵۴۶ ـــ ڈرامے کی آگ	//	۱۰	//
۵۴۷ ـــ چوری کی لڑکی	نئی نسل نیا ادب	۷/۵۰	//
۲۶ ـــ خفیہ تحریر	انسپکٹر جمشید سیریز	۱۰	//
۲۷ ـــ نقاب کے پیچھے	//	۱۰	//
۲۸ ـــ ہوا کے قیدی	//	۱۰	//
۳۰ ـــ آخری پیکٹ	//	۱۰	//

برستان کی موت
TAURUS PT-100 .40 S&W
اشتیاق احمد
Uploaded for:
www.urdufanz.com
By: SHJ3

محمود، فاروق، فرزانہ

اور— انسپکٹر جمشید سیریز

دوسرا حصہ

ناول نمبر ۵۴۹

قبرستان کی موت

اشتیاق احمد

○

نام ناول ـــــ قبرستان کی موت
بار اوّل ـــــ یکم نومبر ۱۹۹۳ء
طابع ـــــ اِشتیاق احمد
کتابت ـــــ سعید نامدار
سرورق ـــــ طاہر ایس ملک
قانونی مشیر ـــــ شمیم احمد ایڈووکیٹ
مطبع ـــــ عظیم علیم پرنٹرز
قیمت ـــــ دس روپے

اُمِ عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ ہذیل کے ایک شخص سے روایت ہے، جس کو نبیشہ خیر کہتے تھے کہ نبیشہ ہمارے پاس آیا اور ہم ایک پیالے میں کھا رہے تھے۔ اُس نے کہا، ہم سے آقائے نامدار حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے بیان فرمایا کہ جو شخص ایک پیالے میں کھائے، پھر اس کو چاٹ لے تو پیالہ اُس کے لیے استغفار کرے گا۔

سُنن ابنِ ماجہ شریف، جلدسوم
صفحہ نمبر ۵۳، حدیث نمبر ۱۵۷

○

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

- یہ وقت نماز کا تو نہیں ــــ
- آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا ــــ
- کل آپ کا کوئی ٹسٹ یا امتحان تو نہیں ــــ
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا ــــ
- آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں۔ پہلے نماز اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیں، پھر ناول پڑھیں۔ شکریہ!

مخلص:

اشتیاق احمد

خان جابر

محمود، فاروق، فرزانہ، خان رحمان، پروفیسر داؤد اور اکرام سردار حیات خان کے ڈرائیور خالد میاں کو دفتر لے آئے۔ اب جو اسے کمرۂ امتحان میں لایا گیا تو وہ تھر تھر کانپنے لگا:

"نہیں نہیں۔ مجھ پر یہ ظلم نہ کریں۔ آخر آپ لوگ کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟"

"تم خود ہی بتا دو۔" محمود نے کہا۔

"کیا بتا دوں؟" اس نے چلّا کر کہا۔

"جو ہم پوچھنا چاہتے ہیں۔"

"مجھے کیا معلوم۔ آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟"

"یہ اس طرح نہیں مانے گا انکل۔ کسوا دیں اسے شکنجے میں۔"

"اچھی بات ہے۔" اکرام نے کہا اور اپنے ماتحتوں کو اشارہ کیا۔

وہ چیختا رہا، لیکن اسے کس دیا گیا، پھر جونہی بٹن دبایا گیا، اُس کی چیخیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں — آخر اس نے کہا:

"بتاتا ہوں — بتاتا ہوں — ٹھہرو — روکو — بند کرو۔"

"ٹھہر جاتے ہیں — روک دیتے ہیں اور بند کر دیتے ہیں۔" اکرام نے کہا اور بٹن آف کر دیا۔

"ہاں! اب بتاؤ۔"

"میں نے اس گاڑی پر بم مارا تھا۔"

"بہت خوب! اب آئے ہو نا سیدھے راستے پر — تو یہ کام تم نے سردار حیات خان کے کہنے پر کیا؟" محمود نے کہا۔

"نہیں — اس بے چارے کو ان باتوں کے بارے میں کیا معلوم — یہ سب تو میں نے اپنے باس کے کہنے پر کیا ہے۔"

"باس کے کہنے پر — کون ہے تمہارا باس؟"

"خان جابر۔" اس نے کہا۔

"خان جابر۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا — اب ان کے چہروں پر حیرت ہی حیرت نظر آ رہی تھی — خان جابر ایک سیاسی لیڈر تھا، لیکن حکومت کا طرف دار تھا — اسے بھلا ایسا کام کرانے کی کیا ضرورت تھی۔

"تو تم — خان جابر کے لیے کام کرتے ہو؟"

"ہاں! بالکل۔"

"پوری تفصیل سناؤ۔"

"آج صبح اس کا فون مجھے ملا تھا — اس نے اپنے پاس مجھے بلایا تھا — میں نے کار میں خرابی کا بہانا کیا اور اسے ورکشاپ لے گیا — وہاں صرف چند منٹ کام کروایا اور خان جابر کے پاس پہنچ گیا — اس نے مجھے ہدایات دیں کہ میں اپنی کار میں بالکل تیار رہوں — ساتھ میں اس نے ایک بم بھی مجھے دیا — یہ کہا کہ اسے اپنے ساتھ رکھوں — اور جو ہدایات ملیں — ان پر عمل کروں — کار میں فون نصب ہے — آدھ گھنٹا پہلے اس کی طرف سے ہدایات ملیں کہ ایک بند گاڑی جو محکمہ سراغ رسانی سے روانہ ہونے والی ہے — اس پر بم مارا جائے گا — اس نے جگہ بھی بتائی جہاں رک کر مجھے گاڑی کا انتظار کرنا تھا — بس میں وہاں جا کر کھڑا ہو گیا — اور پھر جب بند گاڑی گزری تو بم مار کر وہاں سے نکل بھاگا — لیکن مجھے کیا پتا تھا — میری کار کا تعاقب کیا جائے گا اور میں پکڑا جاؤں گا۔"

"بہت خوب! تم خان جابر کے لیے کب سے کام کر

رہے ہو۔ کیا وہ تم سے اس قسم کے کام کراتا رہا ہے؟"

"ہاں! عام طور پر وہ مجھ سے بموں کے دھماکے ہی کراتا ہے۔"

"ایک دھماکے کے کتنے پیسے ملتے ہیں؟"

"بیس ہزار روپے۔"

"اب تک کتنے دھماکے کر چکے ہو؟"

"دس۔"

"اوہ! گویا دو لاکھ روپے کما چکے ہو۔ دوسروں کے پرخچے اڑا کر۔ اب ہم تمھارے پرخچے اڑائیں گے۔ تم قابلِ نفرت ہو۔ انکل! اسے کسوا دیں۔ ذرا ہم اس کی چیخیں سننا چاہتے ہیں۔" محمود نے نفرت زدہ انداز میں کہا۔

اس کی چیخیں گونجنے لگیں۔ ایسے میں اچانک ایک گرج دار آواز کمرے میں گونجی۔

کیا

انھوں نے دیکھا۔ امجد شیروانی خود چلے آ رہے تھے۔ اتنے بڑے سیاسی رہنما اور ان کے لیے دروازے پر آ گئے تھے۔ وہ حیران ہوئے اور متاثر بھی۔

"آیئے جناب آیئے۔ بندہ کیا خدمت کر سکتا ہے۔"

"ہم اس کار کے بارے میں کچھ جاننا چاہتے ہیں۔"

"کار۔ یہ والی۔ جی فرمایئے۔ یہ میری اپنی کار ہے۔"

"یہ ابھی ابھی باہر سے آ رہی ہے۔ غالباً آپ کا ڈرائیور اسے لے کر یہاں آیا ہے۔"

"جی ہاں! تو پھر۔ کیا اس میں کوئی بات غیر قانونی ہو گئی۔"

"ہاں! اس کار سے ایک جگہ بم پھینکا گیا ہے۔" انھوں نے کہا۔

"— باپ رے! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ آپ تو میری

پوری سیاسی زندگی کا ستیاناس کر دیں گے۔ اگر کسی اخبار
والے نے آپ کے منہ سے یہ بات سُن لی تو تصدیق
کیے بغیر خبر لگا دے گا۔ اور پھر جانتے ہیں، کیا ہو
گا۔ میری پارٹی آیندہ انتخابات میں بُری طرح ناکام
ہو جائے گی۔"

"مجھے افسوس ہے۔ اب میں محتاط رہوں گا۔ آپ
ایسا کریں کہ ذرا اپنے ڈرائیور کو بُلا لیں۔"

"ضرور کیوں نہیں۔ کیا آپ یہیں کھڑے بات کریں
گے۔" امجد شیروانی نے حیران ہو کر کہا۔

"جیسے آپ پسند کریں۔"

"آئیے۔ اندر چل کر تشریف رکھیے۔ میں ابھی ڈرائیور
کو بلاتا ہوں۔"

وہ ان کے ساتھ اندر آ گئے۔ ڈرائنگ روم بہترین
طرز پر سجا ہوا تھا۔ کوئی فضول خرچی بھی نہیں کی
گئی تھی۔ انھوں نے گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔ جلد ہی ایک
مُلازم اندر داخل ہوا:

"یس سر۔"

"روگڑ کو بلاؤ۔" انھوں نے بُرا سا منہ بنایا۔ مُلازم
فوراً کمرے سے نکل گیا۔

"آپ نے بُرا سا مُنہ کیوں بنایا؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اس کے نام پر۔ بھلا یہ بھی کوئی نام ہوا۔
روگڑ۔" انھوں نے کہا۔

"ہاں واقعی! یہ تو ہے۔"

جلد ہی ایک لمبے قد کا دُبلا پتلا آدمی اندر داخل
ہوا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

"یہ انسپکٹر جمشید ہیں۔ تم سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔"

"جی فرمائیے۔"

"ابھی ابھی آپ کار لے کر آئے ہیں؟"

"ہاں جناب۔" اس نے مُردہ آواز میں کہا۔

"آپ نے اس بند گاڑی پر بم کیوں مارا تھا؟"

"جی۔ یہ۔ یہ آپ کیا کہ رہے ہیں۔" اس نے لرز کر کہا۔

"وہی۔ جو حقیقت ہے۔"

"ن۔ نہیں۔ میں نے کوئی بم نہیں پھینکا۔"

"میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اور جب میں
تمھیں کمرۂ امتحان میں لے جاؤں گا تو تم فرفر بولنے لگو
گے۔ بہتر یہ ہے کہ یہیں صاف صاف بتا دو۔"

"ہاں بھئی۔ سچ بولنا بہت اچھی بات ہے۔ جلدی کرو۔"
امجد شیروانی نے خوش گوار انداز میں کہا۔

"مم — میں نے بم پھینکا تھا — یہ ٹھیک ہے۔" آخر اس نے کہا۔

"بہت خوب — کس کے کہنے پر؟"

"شیروانی صاحب کے کہنے پر۔"

"کیا؟" وہ چلّائے — رنگ اڑ گیا — پھر چیخ کر بولے:

"دماغ تو نہیں چل گیا — میں نے تمھیں بم دے کر بھیجا تھا۔"

"ہاں جناب! آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ فوراً محکمہ سراغ رسانی کی عمارت کے نزدیک پہنچ جاؤں — وہاں سے ایک بند گاڑی روانہ ہونے ہی والی ہے — اس بند گاڑی کو بم سے اڑانا ہے اور بس — لہٰذا میں یہ کام کر گزرا۔"

"اُف میرے مالک — یہ تو میری پوری سیاسی زندگی کا بیڑہ غرق کر دے گا — اب تو میں کہیں کا نہیں رہوں گا۔" انھوں نے کہا۔

"ہمیں افسوس ہے شیروانی صاحب — ہم آپ کو گرفتار کر رہے ہیں — اور ڈرائیور کو بھی۔"

"یا اللہ رحم! آپ تو کر دیں گے میری سیاسی زندگی کا..." وہ کہتے کہتے رک گئے۔

"ہم نہیں — آپ خود — اب تو آپ کو یہ جرم بھی تسلیم کرنا ہو گا کہ آپ نے اس کے علاوہ بھی ایک ڈرائیور کو گاڑی دے کر بھیجا تھا — کہ پہلے وہ بم پھینکے، اگر وہ ناکام رہے تو آگے چل کر ردگڑ بم مارے، لیکن خدا کی قدرت — دونوں کے بم بے کار گئے۔"

"نن — نہیں — یہ ضرور میرے خلاف — میری سیاسی جماعت کے خلاف کوئی سازش ہے۔"

"اس کا فیصلہ عدالت کرے گی — آپ کا ڈرائیور آپ کے سامنے یہ بیان دے رہا ہے۔"

"یہ تو کر دے گا بیڑا غرق۔" انھوں نے جل کر کہا۔

"اس میں میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"اچھی بات ہے — مجھے اپنے وکیل کو بلانے کی اجازت تو دیں نا آپ۔"

"ضرور — اس کا آپ کو پورا حق ہے۔" انھوں نے کہا۔

انھوں نے فوراً اپنے وکیل کے نمبر ملائے — پھر گھبراہٹ کے عالم میں بولے:

"وکیل صاحب — فوراً آئیے — یہ لوگ تو کر دیں گے میری سیاسی زندگی کا بیڑہ غرق — سرکاری سراغ رسانوں کے ساتھ — یہ اُلّو کا پٹھا ڈرائیور دوگڑ کہ رہا ہے کہ میں

نے اسے بم دے کر بھیجا تھا کہ جاؤ اور فلاں گاڑی کو تباہ کر دو — ہے کوئی تُک — ہاں فوراً آئیں — ورنہ یہ لوگ تو کر لیں گے مجھے گرفتار۔"

یہ کہہ کر انھوں نے ریسیور رکھ دیا — اور ان کی طرف مُڑے:

"آپ یقین کریں — یہ میرے خلاف ایک مدد سیاسی سازش ہے۔" وہ بولے۔

"سیاسی سازش — بہت خوب۔" آئی جی صاحب مسکرائے، پھر انسپکٹر جمشید سے بولے:

"جمشید — میرے خیال میں بھی امجد شیروانی ایسے آدمی نہیں ہیں۔"

"ایسا ہی ہو گا، لیکن اس وقت تو انھیں ڈرائیور کا بیان پھنسا رہا ہے — اور ڈرائیور کے بیان سے ان کے وکیل نبٹ سکتے ہیں — میں نہیں۔"

"ارے باپ رے — آپ تو کر دیں گے..." وہ کہتے کہتے رک گئے۔

"مجھے آپ کی سیاسی زندگی کا بیڑہ غرق کر کے کوئی فائدہ نہیں ہو گا — نہ مجھے شوق ہے کوئی ایسا — میں تو اپنے کام سے کام رکھتا ہوں — کیا سمجھے؟"

"ہاں سمجھ گیا — لیکن — آپ میری ضمانت قبل از گرفتاری تو لے سکتے ہیں نا؟"

"افسوس نہیں — یہ کیس دہشت گردی کا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"اُف — آپ ہی کچھ سمجھائیں انھیں۔"

"میں — اور اسے سمجھاؤں گا — یہ تو اُلٹا مجھے سمجھا کر رکھ دے گا۔" آئی جی صاحب مُسکرائے، پھر بولے:

"اس وقت تو انھیں سمجھانا بہت مشکل ہے، لیکن میں وعدہ کرتا ہوں — دفتر جا کر ضرور سمجھاؤں گا۔"

"وہ — بم — انھوں نے اپنے پاس سے دیا تھا؟" انسپکٹر جمشید نے روگڑ سے پوچھا۔

"ہاں جناب — کوٹھی میں اور بم بھی ہیں۔"

"اُف — سازش — نری سازش۔" امجد شیروانی چلّائے۔

"اب تو آپ کی کوٹھی کی تلاشی بھی لینا ہو گی۔"

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے اپنے دفتر فون کیا — وہاں سے چند ماتحتوں کو آنے کی ہدایت کی — اور پھر ان کے ماتحتوں سے پہلے شیروانی صاحب کے وکیل پہنچ گئے — کیونکہ انھیں پہلے فون کر دیا گیا تھا:

"میں کامل بھاکڑا ہوں، اس شہر کا مشہور وکیل۔" اس

نے تعارف کرایا۔

"اور مجھے انسپکٹر جمشید کہتے ہیں۔ یہ آئی جی شیخ نثار احمد صاحب ہیں۔"

"آپ حضرات سے مل کر خوشی ہوئی۔ آپ میرے مؤکل کو، جو کہ بہت مشہور سیاسی رہنما ہیں اور ان کی ایک بہت بڑی سیاسی جماعت ہے، کیوں گرفتار کرنا چاہتے ہیں؟" کامل بھاکڑا نے کہا۔

"ان کے ڈرائیور کا بیان آپ خود سن لیں اور پھر مجھے بتائیں کہ انھیں گرفتار کرنا چاہیے یا نہیں۔ اور اگر میں انھیں گرفتار نہیں کروں گا تو خود کہاں ہوں گا۔"

"روگڑ! تم کیا کہتے ہو؟"

"شیروانی صاحب نے۔ مجھے ایک بم دے کر بھیجا تھا۔ یہ کہہ کر کہ محکمۂ سراغ رسانی کے دفتر سے ایک بند گاڑی روانہ ہونے والی ہے۔ اسے بم مار کر اڑانا ہے، بم انھوں نے یہیں سے دیا تھا۔ ان کے کمرے میں اور بم بھی ہیں۔"

"اُف میرے مالک۔ یہ تم کہہ رہے ہو روگڑ۔"

"صرف کہہ نہیں رہا۔ اس بات کو ثابت بھی کر سکتا ہوں۔"

"میں سمجھ گیا بھاکڑا۔" امجد شیروانی بولے۔

"آپ کیا سمجھ گئے؟" کامل بھاکڑا نے کہا۔

"یہ کہ یہ شخص۔ ضرور دشمن پارٹی کا آدمی ہے۔ انھوں نے ڈرائیور کے بھیس میں اسے یہاں ملازم ہونے کا حکم دیا۔ مجھے ڈرائیور کی ضرورت ہوگی، میں نے اسے رکھ لیا اور اب آکر اس نے ان کے حکم پر عمل شروع کیا ہے۔"

"ضرور یہی بات ہے۔ لیکن آپ فکر نہ کریں۔ میں اس سے عدالت میں نبٹ لوں گا۔"

"کیا مطلب؟" شیروانی زور سے چونکے۔

"جی ہاں! آپ کو گرفتاری تو دینا ہوگی۔"

"بھاکڑا۔ تم تو کر دو گے میری سیاسی زندگی کا بیڑہ غرق۔"

"کیا کیا جائے۔ مجبوری ہے۔ ہم قانون سے بھاگ نہیں سکتے۔"

"اچھی بات ہے۔ اگر یہ ہوتا ہے تو ہو جائے، لیکن تم میری طرف سے زوردار بیان اخبارات میں دے دو۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ یہ ہو جائے گا۔"

"اور ساری پارٹی کل ایک زبردست جلوس نکالے گی،

احتجاجی جلوس۔"

"ہوں، آپ فکر نہ کریں۔ ویسے ضمانت تو آپ کی فوراً ہو جائے گی۔"

"اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ملک میں خون خرابہ پیدا ہوگا آپ لوگ پُر سکون رہ کر عدالتی کارروائی میں حصّہ لیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"نہیں! اب تو سب کچھ ہوگا۔ میری گرفتاری ملک کو بہت مہنگی پڑے گی۔"

"اس کا مطلب ہے۔ آپ ملک کے خیر خواہ نہیں ہیں۔ ہنگامے کرانے والے ہرگز خیر خواہ نہیں ہیں۔"

"لیکن مجھے بھی تو بلا وجہ گرفتار کیا جا رہا ہے۔"

"کیوں وکیل صاحب۔ ہم انھیں بلا وجہ گرفتار کر رہے ہیں؟"

"نہیں۔ آپ کے پاس معقول وجہ ہے۔"

"بھاکڑا۔ یہ تم کہہ رہے ہو۔ لگتا ہے۔ تم بھی دشمن پارٹی سے مل گئے ہو۔"

"یہ۔ یہ مجھ پر سراسر الزام ہے۔"

"نہیں۔ میں اسی وقت تمھیں اپنی وکالت سے الگ کرتا ہوں۔ اب میں بالکل نیا وکیل کروں گا۔"

"وہ آپ کی مرضی ہے شیروانی صاحب۔ لیکن کوئی بڑے

سے بڑا وکیل بھی آپ کو اس وقت کی گرفتاری سے نہیں بچا سکتا۔ ہاں! فوری ضمانت کروا سکتا ہے۔ اور وہ میں بھی کرواؤں گا۔"

"نہیں! اب میں نیا وکیل کروں گا۔"

وہ ان دونوں کو اپنے دفتر کی حوالات تک لے آئے، یہاں انھیں پتا چلا کہ محمود، فاروق اور فرزانہ کمرۂ امتحان میں ہیں۔ وہ فوراً اس طرف بڑھے۔ کمرۂ امتحان میں معاملہ گرم تھا۔ وہ فوراً بولے:

"یہ تم کیا کر رہے ہو؟"

کمرۂ امتحان میں ایک لمحے کے لیے سناٹا چھا گیا۔ محمود نے سوئچ آف کرنے کا اشارہ کیا۔

"اوہ! آپ آ گئے ابّا جان۔ ہم ذرا اس کی چیخیں سُن رہے تھے۔"

"لیکن کیوں؟"

"یہ بیس ہزار روپے لے کر ایک بم کا دھماکا کرتا ہے اور اب تک دس دھماکے کر چکا ہے۔ ہم نے سوچا۔ اس کی وجہ سے نہ جانے کتنے آدمی چیخے چلّائے ہوں گے، ذرا آج اس کی چیخیں سُن کر دل کو ٹھنڈا کر لیں۔"

"اوہ! تم بے شک نیک کام کر رہے تھے، لیکن پہلے مجھے بتاؤ۔ یہ ہے کون؟"

"اس کا نام خالد میاں ہے — اس کار میں یہی تھا جس سے بم پھینکا گیا تھا — یہ سردار حیات خان کا ڈرائیور ہے، بم پھینک کر یہ فرار ہوا تو انھی کی کوٹھی میں داخل ہوا تھا۔ پہلے اس نے بیان دیا کہ یہ گاڑی کو ورکشاپ لے گیا تھا، لیکن ورکشاپ والے نے بتایا کہ وہاں سے تو یہ تین گھنٹے پہلے آ چکا ہے — پھر اس نے کہا کہ ایک جوئے خانے میں جوا کھیل رہا تھا — اس لیے دیر سے لوٹا — اس کا جھوٹا ہونا جب ثابت ہو گیا تو ہم اسے یہاں لے آئے — یہاں آ کر یہ فرفر بولنے لگا اور اس نے بتایا کہ اس کا باس خان جابر ہے — سیاسی لیڈر۔"

"کیا!!!" انسپکٹر جمشید چلا اُٹھے — ان کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں —

خاص معاملہ

"کیوں ابا جان — آپ یہ سُن کر اس قدر حیران کیوں ہوئے، کیا آپ کے خیال میں یہ کام خان جابر کا نہیں ہو سکتا؟" محمود نے ان سے بھی زیادہ حیران ہو کر پُوچھا۔

"ہو سکتا ہے، کیوں نہیں ہو سکتا — لیکن یہ تو بہت عجیب بات ہو گئی۔"

"اور وہ کیا؟"

"پہلے اِس کا مکمل بیان بتاؤ۔"

"اِس کا کہنا ہے — اسے بم خان جابر نے دیا تھا — تاکہ یہ اُس بند گاڑی کو اڑا دے — ویسے یہ بطور ڈرائیور سردار حیات خان کے پاس مُلازم ہے۔"

"اس کا مطلب ہے — راجا صاحب اور نور کھنگر کو بیک وقت دو سیاسی لیڈر ہلاک کرنا چاہتے تھے — لیکن میرے خیال میں یہ نہیں ہو سکتا۔"

"جی کیا مطلب؟" محمود، فاروق اور فرزانہ نے ایک ساتھ کہا، اب ان کی حیرت اور بڑھ گئی تھی۔

"مطلب یہ کہ — ہم نے دھماکا کرنے والی جس کار کا تعاقب کیا تھا — وہ کار سیاسی لیڈر امجد شیروانی کی کوٹھی میں داخل ہوئی تھی — ان کے ڈرائیور نے یہ بیان دیا ہے کہ اسے بم امجد شیروانی نے دیا تھا — اور ان کی کوٹھی سے مزید بھی بم ملے ہیں۔"

"یا اللہ رحم — یہ تو واقعی بہت عجیب بات ہو گئی۔" فاروق نے کہا۔

"لیکن — ان میں سے ایک ضرور جھوٹ بول رہا ہے — یا یہ — یا وہ — کیونکہ دونوں کو ایک آدمی نے اس کام کے لیے بھیجا تھا — دونوں نے نہیں — خیر — امجد شیروانی سے تو ہم مل چکے ہیں — اب خان جابر سے مل لیتے ہیں۔"

"کیوں — کیا آپ نے امجد شیروانی کو گرفتار نہیں کیا؟" محمود بولا۔

"دونوں کو لے آتے ہیں — اب ذرا خان جابر سے بات ہو جائے۔"

"لیکن جمشید — ہم راجا اور نور کھنگر کو کیوں نظر انداز

کر رہے ہیں — آخر مجرم ان دونوں کو کیوں رہا کرانا چاہتا تھا — کیا صرف اس لیے کہ وہ دونوں اصل مجرم یعنی باس کے بارے میں جانتے ہیں۔"

"ہم انھیں بھولے نہیں — یہ معاملہ ہر لمحے الجھتا ہی چلا جا رہا ہے — اور سپنس ہے کہ بڑھتا جا رہا ہے — مسلم ہال میں کوئی بم نہیں رکھا گیا، لیکن پھر بم کا شوشا چھوڑنے کی کیا ضرورت تھی — یہ بات اب تک میری سمجھ میں نہیں آئی۔" انھوں نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"آ جائے گی جمشید — پریشان نہ ہوں۔"

"اور جمشید — ہم صدر صاحب سے بھی تو مل سکتے ہیں — آخر وہ کون ہے — جو ان پر دباؤ ڈال رہا تھا کہ نور کھنگر کو رہا کر دیا جائے۔"

"جی ہاں! ان سے بھی ملیں گے، لیکن پہلے نمبر پر خان جابر۔" انھوں نے کہا۔

وہ خان جابر کی کوٹھی پہنچے — خان جابر حکومت کی مخالف سیاسی جماعت کا لیڈر تھا — یہ جماعت بھی ملک میں بہت بڑی جماعت تھی — اور حکومت اگر کسی جماعت سے گھبراتی تھی تو اس سے — خان جابر نے ان کا استقبال پُرجوش انداز میں کیا:

"فرمائیے ۔ کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"آپ خالد میاں کو جانتے ہیں"؟ انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"خالد میاں ۔ جی نہیں ۔ میں اس نام کے کسی آدمی کو نہیں جانتا۔"

"وہ سردار حیات خان کا ڈرائیور ہے۔"

"میں سردار حیات خان کو ضرور جانتا ہوں، کیونکہ وہ بہت بڑے آدمی ہیں ۔ لیکن خالد میاں کو نہیں مانتا۔" خان جابر نے کہا۔

"لیکن خالد میاں کا بیان ہے کہ آپ نے اسے ایک بم دے کر حکم دیا تھا کہ محکمہ سراغرسانی سے روانہ ہونے والی ایک بند گاڑی کو اڑانا ہے۔"

"ارے اچھا ۔ کمال ہے ۔ تو اب میں ایسے کام بھی کرانے لگ گیا ہوں۔" انھوں نے خوش ہو کر کہا۔

"بات کو مذاق میں نہ اڑائیں۔"

"تو کس چیز میں اڑاؤں ۔ پتنگ کی ڈور میں باندھ کر اڑاؤں۔" انھوں نے منہ بنایا۔

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔"

"تو اور کیسی کروں گا ۔ آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں کہ میں نے اپنے کسی کارکن کو بم دے کر بھیجا کہ فلاں

گاڑی کو اڑا دو ۔ آخر مجھے ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ بولے۔

"یہ میرا نہیں، اس ڈرائیور کا بیان ہے۔" انسپکٹر جمشید نے ناخوشگوار انداز میں کہا۔

"اب ایک شخص میرے بارے میں کوئی بیان دے دے تو کیا اس کی کوئی قانونی حیثیت ہو گی؟" خان جابر نے منہ بنایا۔

"یہ بعد کی بات ہے ۔ آپ بتائیں، خالد میاں کو آپ سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔"

"وہ میرے کسی مخالف کے لیے کام کر رہا ہے شاید ۔ اسی کے اشارے پر اس نے یہ بیان دیا ہو گا۔"

"ملازمت تو وہ سردار حیات خان کی کر رہا ہے ۔ اور سردار حیات خان کسی سیاسی پارٹی سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں! یہ تو خیر ہے ۔ بہرحال میرا ایسی کسی واردات سے کوئی تعلق نہیں ۔ اور کسی کے بیان سے میں مجرم ثابت نہیں ہو جاتا۔"

"شکریہ! آپ اس معاملے پر اور غور کر لیں۔"

"میں نہیں سمجھتا کہ اس میں غور کرنے والی کوئی بات

ہے۔" انھوں نے بُرا سا منہ بنایا۔

"اچھی بات ہے۔ آؤ بھئی چلیں۔"

"ارے ارے۔ کیا آپ ناراض ہو کر جا رہے ہیں؟" خان جابر نے کہا۔

"جی نہیں۔ ناراض کیوں ہونے لگے ہم آپ سے۔ ویسے آپ اگر ناراض نہ ہوں تو ایک بات کہوں۔"

"ضرور کہیے۔"

"اگر ہم آپ کے گھر کی تلاشی لیں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا۔ یہ خیال رہے کہ ہمارے پاس وارنٹ نہیں ہیں۔"

"ضرور تلاشی لیں۔ بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" انھوں نے فوراً کہا۔

"بہت بہت شکریہ! اس تعاون کا۔"

انھوں نے ان کے گھر کی تلاشی لی۔ لیکن کوئی کام کی چیز نہ ملی۔ آخر وہ ان سے معذرت کر کے وہاں سے چلے آئے:

"یہاں آنے کا بھلا کیا فائدہ ہوا؟" خان رحمان نے منہ بنایا۔

"بات فائدے اور نقصان کی نہیں۔ اپنی تفتیش مکمل

کرنے کی ہے۔ تفتیش مکمل کرنے کے بعد ہمیں یہ جائزہ لینا ہے کہ اصل مجرم کون ہے۔ جو اس سارے چکر کا ذمے دار ہے۔ جو مسلم ہال میں کوئی گڑبڑ کرنا چاہتا تھا، وہاں اگر محمود، فاروق اور فرزانہ کو بے ہوش نہ کیا جاتا اور راجا صاحب اور دوسرا آدمی غائب نہ ہوتے تو ہم صرف یہ اندازہ لگا پاتے کہ ان تینوں کے ساتھ کسی نے شرارت کی تھی یا پھر زیادہ سے زیادہ یہ کہ کوئی دشمن ملک اور تو کچھ نہ کر سکا۔ اس نے سوچا بم کی اطلاع دے کر اندر کھلبلی مچا دے۔ تاکہ کانفرنس ناکام ہو جائے۔ لیکن ان حالات میں جب کہ راجا صاحب غائب ہوا۔ اور پھر ملا نور ہوٹل میں، جہاں نور کھنگر نے رکاوٹ ڈالی۔ اسے گرفتار کیا گیا تو صدر صاحب تک اسے چھوڑنے کا حکم دیتے نظر آئے۔ ان حالات میں یہ معاملہ کوئی عام معاملہ نہیں خیال کیا جا سکتا۔"

"ہوں! یہ بات بھی ہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"اب ہم راجا اور نور کھنگر کو چیک کر لیں۔ پھر براہِ راست صدر صاحب سے بات کریں گے۔ آخر وہ کون ہے جو ان پر اس قدر دباؤ ڈال رہا ہے۔"

"ہاں! ٹھیک ہے۔"

وہ ہوٹل نور پہنچے ۔ انھوں نے محمود ، فاروق اور
فرزانہ کو ہوٹل کے باہر چھوڑا اور تینوں اندر کی طرف
بڑھے ۔ انھیں اندر داخل ہوتے دیکھ کر تمام بیرے
پھر سے چوکس ہوگئے ، لیکن انھوں نے بیروں کی
طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا اور سیدھے نور کھنگر کے دفتر
کی طرف بڑھے ۔ انھوں نے دیکھا ، راجا نور کھنگر کے
دفتر میں ہی اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھا تھا ۔
دفتر کا دروازہ چونکہ کھلا تھا ، اس لیے باہر سے ہی
انھیں یہ منظر نظر آگیا ۔ دونوں انھیں دیکھ کر چونکے :

" آپ کو پھر یہاں دیکھ کر حیرت ہوئی ۔ ہمیں ایک
فیصد بھی اُمید نہیں تھی کہ آپ پھر یہاں آئیں گے ۔"

" ہمیں تم دونوں سے صرف ایک بات معلوم کرنا
ہے ۔ اور وہ یہ کہ تم لوگوں کا باس کون ہے ؟"

" اگر یہ بتانا ہوتا ۔ تو وہاں سے خود کو چھڑانے کی
کیا ضرورت تھی ۔ باس کو بھی تو خطرہ تھا کہ ہم شکنجوں
کی تکلیف برداشت نہیں کر سکیں گے اور اس کا نام
اگل دیں گے ۔"

" تو تم باس کا نام جانتے ہو ؟" انسپکٹر جمشید سرد آواز
میں بولے ۔

" ہاں ! لیکن صرف میں ۔ راجا نہیں جانتا ۔ البتہ راجا میرا
دایاں بازو ہے ۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی انسپکٹر جمشید تیزی سے اُٹھے اور
دفتر کا دروازہ بند کر دیا ۔ ساتھ ہی انھوں نے ایک
جھٹکا مار کر ٹیلی فون کے تار اکھاڑ پھینکے :

" یہ ۔ یہ ۔ یہ کیا ۔ میرے ہوٹل میں ۔ میرے دفتر
میں ۔ میرے سامنے ۔ جب کہ تم اپنی حوالات تک میں
میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے ۔" اس نے تھر تھر کانپتی آواز میں کہا ،
آواز مارے غصّے نے کانپ رہی تھی ۔

" ہاں ! یہاں میں زیادہ آسانی محسوس کر رہا ہوں ۔ وہاں
میں صدر کے حکم سے مجبور تھا ، لیکن یہاں صدر کا حکم
نہیں آسکے گا ۔"

" جانتے ہو ۔ یہاں اردگرد سو بیرے موجود ہیں ۔
اور سو کے سو مسلح ہیں ۔ وہ تو کر دیں گے تمھاری تکا
بوٹی ۔" اس نے سرد آواز میں کہا ۔

" جب وہ یہاں پہنچیں گے ۔ اس وقت تک تم باس کا
نام بتا چکے ہوگے ۔ ان سے ہم بعد میں نبٹ لیں
گے ۔ پہلے تم بتاؤ ، تمھارا باس کون ہے ؟" انسپکٹر جمشید نے
مسکرا کر کہا ۔

" نن — نہیں — میں نہیں بتا سکتا " نور کھنگر نے لرز کر کہا۔

" کیوں نہیں بتا سکتے ۔ تمھیں بتانا ہو گا — تمھارا باس کون ہے ؟"

" وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا " اس نے کانپتے ہوئے کہا۔

" زندہ تو میں بھی تمھیں نہیں چھوڑوں گا " انسپکٹر جمشید نے بھنّا کر کہا۔

ساتھ ہی چاقو کھُلنے کی آواز سُنائی دی — انسپکٹر جمشید نے بڑے وحشیانہ انداز میں چاقو کھولا تھا۔

" صدر صاحب آپ کو نہیں چھوڑیں گے — یہ سوچ لیں انسپکٹر جمشید " نور کھنگر چلاّیا۔

" چلاّنے کی ضرورت نہیں — تمھاری مدد کے لیے کوئی نہیں آسکے گا — میں جانتا ہوں — یہ کمرہ ساؤنڈ پروف ہے — جب تک تم کسی کو بلاؤ گے نہیں — اس وقت تک کوئی ادھر آنے کی جرأت نہیں کر سکے گا — میرے باہر دروازے تک ہی رہیں گے " انسپکٹر جمشید نے مُسکرا کر کہا۔

اس کا رنگ اڑ گیا — راجا کی حالت بھی ردّی

تھی — انسپکٹر جمشید آگے بڑھے — انھوں نے نور کھنگر کو گریبان سے پکڑ لیا — اس کا گلا گھٹنے لگا — ایسے میں وہ خان رحمان سے مخاطب ہوئے :

" خان رحمان ! تم راجا کا خیال رکھنا "

" فکر نہ کرو جمشید — اس نے اگر کوئی حرکت کی تو میں اس کے سر پر وہ ہاتھ دوں گا کہ رات میں تارے نظر آ جائیں گے "

" کیا کہا — رات میں تارے ؟"

" ہاں ! دن میں تو سبھی دکھاتے ہیں " خان رحمان نے فوراً کہا۔

" یار خان رحمان — فاروق بننے کی کوشش نہ کرو — یہ بڑا مشکل کام ہے — بس خان رحمان ہی رہو — یہاں مجھے ضرورت بھی خان رحمان کی ہے "

" او کے " وہ بولے۔

عین اس وقت دروازے پر زور دار دستک دی گئی ، دستک کو سُن کر نور کھنگر کے چہرے پر رونق سی آگئی :

" وہ — وہ آگئے — میرے مددگار آگئے " اس نے بمشکل کہا۔

"لیکن وُہ اندر کس طرح آئیں گے؟"

"دروازہ توڑ کر۔"

"اور انھیں دروازہ توڑنے کا حکم کون دے گا۔ آواز تو باہر جائے گی نہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

اس کا منہ پھر بن گیا۔ دروازے پر دستک بدستور جاری رہی۔

"میں صرف تین تک گنوں گا۔ اگر تم نے باس کا نام نہ بتایا تو یہ خنجر تمھارے سینے میں ہو گا۔ اور پھر تمھارے بیرے تمھاری زندگی نہیں بچا سکیں گے۔ اور مرنے کے بعد یہ دُنیا تمھارے کس کام آئے گی، لٰہذا فائدہ اِسی میں ہے کہ اس کا نام بتا دو۔ پھر میں تمھیں کچھ نہیں کہوں گا۔"

"اچھی بات ہے۔ بتاتا ہوں۔ گلا چھوڑو میرا۔ میرا دم گھٹ رہا ہے۔"

انھوں نے اس کا گلا چھوڑ دیا۔ وُہ چند لمحے تک اپنا گلا ملتا رہا۔ لمبے لمبے سانس لیتا رہا، آخر اس نے کہا:

"میں نام بتا دیتا ہوں۔ لیکن۔ اس کے بعد اس کے ہاتھوں مجھے کون بچائے گا۔"

"اگر تم خوف محسوس کرتے ہو تو پھر ہم تمھیں اپنی

حفاظت میں رکھیں گے۔ تم یہاں نہیں رہو گے۔"

"لیکن میں یہیں رہنا پسند کروں گا۔"

"اس صورت میں ہماری کوئی ذمے داری نہیں ہو گی۔"

"خیر۔ دیکھا جائے گا۔ میں نام بتا رہا ہوں۔ باس کا نام ہے خان جابر۔"

"نن۔ نہیں۔"

اُن کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔ مارے حیرت کے اُن کی آنکھیں پھیل گئیں۔

وُہ مارا

"کیا اس طرح اس خطرناک ہوٹل میں داخل ہونا عقل مندی ہے محمود؟" فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا۔

"ہم ابّا جان کو بے وقوف تو خیال کر ہی نہیں سکتے۔" محمود نے کہا۔

"انھوں نے ہمیں باہر بلا وجہ نہیں کھڑا کیا۔ مطلب یہ کہ اگر وہ کسی اُلجھن میں پڑ جائیں تو ہم حرکت میں آ جائیں۔"

"ہاں! ٹھیک ہے۔ ہم ہر طرح تیار ہیں۔"

"اوہو۔ یہ کیا۔ تمام بیرے۔ نور کھنگر کے کمرے کا رُخ کر رہے ہیں۔ ہال خالی ہوتا جا رہا ہے۔ گاہک تیزی سے نِکل کر اِدھر اُدھر جا رہے ہیں، گویا جس کے جدھر سینگ سما رہے ہیں، جا رہا ہے۔ ان حالات میں ہم کیا کریں؟"

"ہم تیل دیکھیں گے اور تیل کی دھار دیکھیں گے۔" فارُوق نے مسکرا کر کہا۔

"تمھیں ایسے میں تیل اور تیل کی دھار کی پڑی ہوئی ہے۔ حد ہو گئی۔"

"اب اور کس چیز کی پڑنی چاہیے ایسے میں؟"

"ہمارے پاس ہتھیار کیا ہیں؟"

"صرف ایک ایک پستول۔ اور ایک ایک کھلونا، پروفیسر انکل کا دیا ہوا۔"

"پھر تو ہم کام چلا سکتے۔ آؤ۔ اب ہم یہاں کھڑے رہ کر کیا کریں گے۔ بے چارہ ہال کیا سوچے گا۔ کوئی تو اس میں رہنا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔"

وہ اندر داخل ہوئے اور ہال کی ایک میز کے گرد بیٹھ گئے۔ کاؤنٹر پر موجود عملے نے انھیں حیران ہو کر دیکھا۔ کیونکہ وُہ ایسے میں اندر آئے تھے جب دُوسرے باہر بھاگ رہے تھے، لیکن انھیں پہچان لینے کے بعد انھوں نے بُرے بُرے منہ بنائے۔ لیکن کہا کچھ نہیں۔ شاید کہنے نہ کہنے کا حق بیروں کو تھا۔ اور تمام بیرے نور کھنگر کے کمرے کے گرد جمع تھے۔

اور کمرے کے اندر ان کے والد، خان رحمان اور پروفیسر داؤد موجود تھے۔ نور کھنگر کے ساتھ۔

"ایسا لگتا ہے۔ جیسے ہم نے یہاں آ کر مصیبت مول لے لی ہے۔ کیوں نہ فورس کو بلا لیا جائے۔"

"ابا جان نے ایسی کوئی ہدایت نہیں دی۔"

"ہمیں اس ہوٹل کے ہال میں احتیاطاً ایسی جگہ پوزیشن لے لینی چاہیے۔ کہ ضرورت کے وقت اپنا بچاؤ کر سکیں۔ اور ان پر حملہ کر سکیں۔ بیروں کی نیت ٹھیک نہیں ہے۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"اچھی بات ہے۔" فرزانہ نے کہا اور چاروں طرف دیکھنے لگی، پھر اسے ایک گیلری نظر آ گئی۔ وہاں رہ کر وہ اپنا بچاؤ بخوبی کر سکتے تھے اور بیروں پر نہایت آسانی سے حملہ کر سکتے تھے۔ بلکہ بیروں کو تو وہ نظر بھی نہ آتے، البتہ کاؤنٹر پر موجود عملہ انھیں بتا سکتا تھا۔ پھر بھی انھوں نے اُٹھ کر گیلری کا رُخ کیا:

"اے۔ کہاں کا ارادہ ہے؟" کاؤنٹر پر سے ایک نے چیخ کر کہا۔

"ذرا اس گیلری کی سیر کریں گے۔"

"بہت خوب۔ تم اس گیلری کی سیر کرو گے۔ کس

خوشی میں؟"

"بس ایسے ہی۔"

"آرام سے یہیں بیٹھے رہو۔" ان میں سے دو نے آگے بڑھ کر کہا۔

"اور اگر آرام سے یہیں نہ بیٹھے رہے تو۔ آپ کیا کر لیں گے؟"

"ہم کم از کم تمھاری چٹنی تو بنا ہی دیں گے۔"

"چلو اچھا ہے۔ بہت دن ہو گئے چٹنی کھائے ہوئے۔" فارُوق نے خوش ہو کر کہا۔

"معلوم ہوتا ہے۔ چٹنی بنانا ہی پڑے گی۔"

"تو پھر بنا ہی دیں۔" محمود نے بُرا سا منہ بنایا۔ دونوں ان کے راستے میں آ گئے۔ اور ان پر حملہ آور ہوئے۔

"ارے ارے۔ آپ لوگ تو سچ مچ لڑنے کا پروگرام بنا بیٹھے۔ چلیے آپ کر لیں گیلری کی سیر۔"

یہ کہ کر محمود نے اچھل کر دونوں پیروں کی ٹکر اس کے سینے پر ماری۔ وہ لگا لڑھکنیاں کھانے۔ دوسرے پر فارُوق نے وار کیا۔ اور اس کے ناک پر سر کی ٹکر ماری۔ اس کے ناک سے خون بہ نکلا۔

"یہ دونوں تو اب گیلری کی سیر نہیں کر سکیں گے۔ لہٰذا آپ دونوں آ جائیں۔" فرزانہ نے کاؤنٹر پر جھکے ہوئے دو سے کہا۔

انھوں نے خوف زدہ انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر بولے:

"نہیں — ہم یہیں ٹھیک ہیں۔"

"ٹھیک نہیں ہے — بیرے اِدھر کا رُخ کریں گے تو تم انھیں فوراً بتا دو گے کہ ہم کہاں چھپے ہوئے ہیں اور یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے — لہٰذا تم دونوں بھی ذرا دیر کے لیے بے ہوشی کے مزے لے لو۔ جیسے کہ یہ لے رہے ہیں — اب دیکھ لیں — کتنے آرام سے سو رہے ہیں۔"

یہ کہ کر انھوں نے کاؤنٹر کی طرف دوڑ لگا دی۔

"ارے ارے — یہ آپ کیا کہ رہے ہیں۔ ہمیں لڑائی بھڑائی کا تجربہ نہیں۔"

"ارے! پہلے کیوں نہیں بتایا۔ اب تو ہم حملہ شروع کر چکے ہیں — اور آپ تو جانتے ہی ہیں کہ تیر سے نکلا ہوا کمان واپس نہیں آیا کرتا۔"

"ہاں واقعی — دیکھا تو ہم نے بھی کبھی نہیں۔" محمود نے

فوراً کہا۔

"کیا نہیں دیکھا؟" فرزانہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"تیر سے نکلی ہوئی کمان کو واپس آتے۔"

"ارے باپ رے — تو میں الٹ کہ گیا — لیکن تم تو سیدھا سمجھ سکتی تھیں — تمھاری عقل کو کیا ہو گیا؟"

"گھاس کھانے چلی گئی شاید — تمھارے ساتھ رہ کر اور ہو بھی کیا سکتا ہے۔"

اتنے میں وہ کاؤنٹر تک پہنچ چکے تھے۔ انھوں نے ان دونوں کو بھی فوراً ہی بے ہوشی کے عالم کی سیر کرا دی — اور پھر خود گیلری کا رُخ کیا۔ جلد ہی وہ گیلری میں اس طرح چھپ چکے تھے کہ اب باہر سے آنے والا یا اندر سے ہال میں آنے والا انھیں بالکل نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"اب دیکھنا یہ ہے کہ اندر کیا ہوتا ہے — تمام بیرے نور کھنگر کے کمرے کے باہر جمع ہو چکے ہیں — اور غالباً ان کا پروگرام یہ ہے کہ جُونہی ابا جان اور انکل باہر نکلیں گے — وہ انھیں دبوچ لیں گے۔"

"اور یہ اُن کی خوش فہمی ہے — اس آسانی سے دبوچے جانے والے اے آسماں نہیں ہم۔"

"تو ہم ان پر پیچھے سے حملہ کیوں نہ کر دیں۔ میرا مطلب ہے۔ ہال کی طرف سے۔ اس طرح ان میں کھلبلی مچ سکتی ہے۔"

"پتا نہیں۔ ابّا جان کا کیا پروگرام ہے۔ ہمیں بلاوجہ ہنگامہ نہیں کرنا چاہتے۔ دُوسرے یہ کہ انکل اکرام کہاں رہ گئے۔ ہوٹل تک تو وُہ ہمارے ساتھ ہی تھے۔" محمود نے کہا۔

"وُہ مارا۔" فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔

"کیا مطلب۔ یہاں کچھ مارنے کا ذکر کہاں سے نکل آیا۔"

"انکل ضرور اپنے ماتحتوں کے ذریعے ہوٹل کو ایک بار پھر گھیرے میں لے رہے ہوں گے۔"

"اس بات کا امکان ضرور ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے۔ وُہ کہیں اور اُلجھ گئے ہوں۔"

"ایسا لگتا تو نہیں۔"

عین اس وقت انھوں نے دیکھا۔ اکرام اندر داخل ہو رہا تھا۔

"لو۔ وُہ آ گئے انکل۔ اور کس طرح حیران ہو رہے ہیں۔ اتنا بھی کیا حیران ہونا۔ کیا آج سے پہلے

انھیں حیران ہونے کا کوئی موقع نہیں ملا۔" فارُوق نے خود بھی حیران ہو کر کہا۔

"اوہ ہاں! واقعی۔ خیر پوچھیں گے ان سے۔"

اکرام نے ہال میں آ کر چاروں طرف دیکھا۔ اس نے بے ہوش پڑے چاروں آدمیوں کو بھی حیرت سے دیکھا۔ پھر گیلری کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور بولا:

"تو تم یہاں چھپے ہو؟"

"آپ بھی یہیں آ جائیں۔"

"لیکن یہ ہال خالی کیوں ہو گیا؟"

"یہیں آ جائیں، پھر بتائیں گے۔"

اکرام سیڑھیاں چڑھ کر ان کے پاس آ گیا۔ انھوں نے ساری تفصیل بتا دی، پھر محمود نے اس سے پوچھا:

"لیکن آپ کہاں رہ گئے تھے؟"

"انسپکٹر جمشید صاحب نے مجھے کوئی ہدایت تو دی نہیں تھی۔ جب وُہ اپنی کار سے نیچے اُتر کر یک دم ہوٹل میں داخل ہو گئے تو میں ڈرا۔ کہ کہیں گڑبڑ نہ ہو جائے۔ ہوٹل کے بیرے ان پر پل نہ پڑیں۔ لہٰذا میں واپس گاڑی کی طرف چلا گیا۔ تم تینوں اس وقت تک ہال کا رُخ کر چکے تھے۔ میں نے جب

وائرلیس پر دفتر سے رابطہ کیا تو وہاں سے پتا چلا کہ
آئی جی صاحب مجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔
ماتحتوں کو ہدایات دینے کے بعد میں نے ان سے
بات کی۔ وُہ صرف حالات جاننا چاہتے تھے۔ حالات
بتانے میں مجھے کافی وقت لگ گیا۔ اس لیے کہ
درمیان میں وُہ سوالات بھی کرتے رہے۔ اور مجھے جوابات
دینا پڑے۔ تم نے اچھا کیا کہ یہاں پوزیشن لے لی۔
ویسے تو اب تک باہر بھی سادہ لباس والے آ چکے ہوں
گے اور ہوٹل کو گھیرے میں لے چکے ہوں گے۔"

"اوہو! یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں۔"

انھوں نے فرزانہ کی آواز سُنی۔

"جو دیکھ رہی ہو، خاموشی سے دیکھتی رہو۔ ہمیں نہ
پریشان کرو۔" فارُوق نے منہ بنایا۔

"بھئی پہلے دیکھ تو لو۔"

اب جو وُہ مُڑے تو انھوں نے فرزانہ کو دیوار
پر نظریں جمائے دیکھا۔

"یہ گیلری کی دیوار ہے اور بس۔" فارُوق نے منہ بنا
کر کہا۔

"لیکن اس دیوار پر یہ چھوٹی سی تصویر کیوں

بنی ہے؟"

"بس ایسے ہی۔ بھلا یہ بھی کوئی سوال ہے کہ تصویر
کیوں بنی ہے دیوار پر۔"

"اوہو۔ ذرا غور کرو۔ تصویر سیاہ رنگ کی ہے۔
گویا اس جگہ سے دیوار کو کالا کیا گیا ہے۔ آخر
کیوں؟" وُہ بولی۔

"اب سر پکڑ کر بیٹھ جاؤ اور اس آخر کیوں پر غور
کرتی رہو۔" محمود نے بھی جھلّا کر کہا۔

"انکل۔ آپ دیکھ رہے ہیں ان دونوں کو۔" فرزانہ
نے بُرا سا منہ بنایا۔

"ہاں! دیکھنا تو پڑے گا ہی۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ
نے مجھے دو عدد آنکھیں دے رکھی ہیں۔" اکرام مسکرایا۔

"میرا مطلب ہے۔ یہ میری بات پر توجہ نہیں
دے رہے۔"

"چلو۔ میں دینے کے لیے تیار ہوں توجہ۔" اکرام
نے ہنس کر کہا۔

"آپ کی اور بات ہے انکل۔ آپ کے پاس تو
توجہ کا سٹاک ہے۔ ہم اتنی توجہ کہاں سے لائیں؟"
فارُوق نے بُرا سا منہ بنایا۔

"کچھ بھی ہو — یہ تصویر یہاں بلا وجہ نہیں۔"

"تو پھر تم اس تصویر کا کچھ بگاڑ کر کیوں نہیں دیکھ لیتیں۔" محمود نے جھلّا کر کہا۔

"ہاں! اب یہی کرنا ہو گا۔"

یہ کہ کر فرزانہ نے تصویر والی جگہ پر ہاتھ رکھ کر دباؤ ڈالا — اچانک دیوار میں ایک خلا نمودار ہو گیا۔ اور انھیں سیڑھیاں نظر آنے لگیں:

"یہ — یہ کیا بھئی — پہلے جب ہم نے یہاں کی تلاشی لی تھی — اس وقت اس تہ خانے میں تو ہم پہنچ ہی نہیں سکے تھے — نہ جانے اس میں کیا کچھ ہو گا۔" اکرام دھک سے رہ گیا۔

"آئیے — دیکھ لیتے ہیں۔" محمود نے پُر جوش انداز میں کہا۔

"اب بات سمجھ میں آئی کہ کاؤنٹر کلرک وغیرہ ہمیں اُوپر کیوں نہیں آنے دے رہے تھے۔" فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

وہ سوچے سمجھے بغیر ان سیڑھیوں پر اُترنے لگے۔ یہ بھی بھول گئے کہ گیلری میں کیوں آ کر چھپے تھے — سیڑھیاں اُترنے پر انھوں نے ایک بہت بڑا ہال دیکھا — اوپر والے ہال سے بھی بہت بڑا۔

وہ حیرت زدہ رہ گئے — اس ہال کے ٹھاٹ باٹھ دیکھ کر ان کی سٹی گم ہو گئی — یوں لگتا تھا جیسے یہاں کسی بادشاہ کا دربار لگتا ہو؛ تاہم اس وقت اس ہال میں ایک شخص بھی نہیں تھا — ہال میں دیواروں کے ساتھ ساتھ چاروں طرف کرسیاں بچھی تھیں — سامنے والی دیوار کے درمیان میں ایک شاہانہ کرسی تھی — وہ سنہری تھی — شاید اس پر سونے کا کام کیا گیا تھا — ابھی وہ اس کرسی سے بہت دُور تھے۔

"لگتا ہے — یہاں باقاعدہ دربار لگتا ہے — اور وہ ضرور باس کا لگتا ہو گا۔" محمود بڑبڑایا۔

"پھر تو ہم بالکل ٹھیک جگہ پر پہنچ گئے۔" فرزانہ نے کہا۔

"لیکن یہاں تو اس وقت کوئی بھی نہیں ہے۔" اکرام بولا۔

"اجلاس کا وقت نہیں ہوا ہو گا — یا ہو سکتا ہے — اجلاس ہر مہینے یا ہفتے میں ایک بار ہوتا ہو گا — ایک بات ظاہر ہے — نور کھنگر اس کا دایاں بازو ہے اور اس کے بارے میں سب کچھ

جانتا ہے — اور اسی لیے اسے چھڑانے کے لیے اس
نے اتنا زور لگایا۔"

"ہوں — اب ذرا اس کرسی کو دیکھ لیں۔ بادشاہوں
کی کرسی بھی اس قدر شان دار نہیں ہوتی ہو گی۔ آخر
یہ شخص کیا کرتا ہے؟"

"ہیروئن کی بڑی مقدار تو اس ہوٹل سے ہی
پکڑی جا چکی ہے — اور نہ جانے کیا کچھ یہ کرتا
ہو گا — ہوٹل نور اس کا اپنا ہے — اس کے بیرے
اس کے غلام ہیں — شہر میں اور نہ جانے کتنے
لوگ اس کے لیے کام کرتے ہیں — مطلب یہ کہ
اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔"

"تب پھر امجد شیروانی کو بالکل غلط گرفتار کیا گیا۔
ان کی کوٹھی میں بم ضرور اس باس نے رکھوائے ہوں
گے، تاکہ اس پر شک جائے۔" اکرام نے سوچ میں گم
لہجے میں کہا۔

"اوہو — ہم اس تہ خانے میں الجھ گئے — ہمیں تو
گیلری میں رہنا چاہیے تھا۔"

"اوہ ہاں! آؤ واپس چلیں — اس تہ خانے کو پھر دیکھ
لیں گے۔" فرزانہ نے چونک کر کہا۔

"کم از کم اس کرسی کو تو دیکھتے جائیں — کہیں پھر اس
کرسی کی زیارت نصیب نہ ہو سکے۔"

"تم تو اس طرح کہہ رہے ہو، جیسے مشرک لوگ قبروں
کی زیارت کرتے ہیں اور قبروں سے نہ جانے کیا کیا
کچھ امیدیں لگائے رکھتے ہیں۔"

"نہیں! میں تو صرف اس کرسی کو دیکھنا چاہتا تھا —
کہیں یہ سونے کی بنی ہوئی نہ ہو۔"

"اگر یہ سونے کی بنی ہوئی ہے تو بھی ہمارے
کس کام کی — حکومت کے کام آئے گی۔" فاروق نے
منہ بنایا۔

"میرا خیال ہے — پہلے گیلری میں چلتے ہیں — باتیں
تو وہاں بھی کر سکتے ہیں۔" اکرام نے گھبرا کر کہا۔

وہ مڑے ہی تھے کہ دھک سے رہ گئے — تہ خانے
کے دروازے کی طرف ایک دیو قامت سیاہ فام کھڑا
تھا — اس کے ہاتھ میں ایک عجیب وضع کی رائفل
تھی — انھوں نے اس سے پہلے اس قسم کی رائفل نہیں
دیکھی تھی۔

"اب تم لوگ واپس نہیں جا سکو گے — اس تہ خانے
کے نیچے ایک اور تہ خانہ ہے — وہ تہ خانہ باس کے

مخالفین کا قبرستان ہے — میں غلط کہ گیا — قبرستان تو
وُہ ہوتا ہے، جہاں قبریں بنائی جاتی ہیں — یہاں تو
صرف دروازہ کھول کر زندہ انسان کو نیچے پھینک دیا
جاتا ہے — اور بس۔"

"تو ہمیں ڈرانے کی کوشش تو نہ کرو۔ ہم ڈرنے والوں
میں سے نہیں ہیں۔" محمود نے منہ بنایا۔

"ڈرنے کا مرحلہ تو اس وقت آئے گا جب تم بالکل
بے بس یہاں پڑے ہو گے اور تمہیں باری باری زندہ قبرستان
میں پھینکا جا رہا ہو گا۔"

"اللہ نے چاہا تو اس وقت بھی ہم نہیں ڈریں گے۔" یہ
کہہ کر محمود نے ایک قدم آگے بڑھایا۔

"اپنی جگہ سے حرکت کی اور مارے گئے۔ پھر میں باس
کے سامنے پیش کرنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کروں گا۔"

"اور باس یہاں کب آئے گا؟" اکرام نے پوچھا۔

"ٹھیک ایک گھنٹے بعد اجلاس شروع ہونے والا ہے۔"

"اس اجلاس میں کیا ہوتا ہے؟"

"تمام کارندے اپنی اپنی کارروائی کی رپورٹ پیش کرتے
ہیں۔ آئندہ کے لیے ہدایات دی جاتی ہیں۔"

"اور باس کون ہے؟"

"یہ کوئی نہیں جانتا۔ باس مکمل طور پر نقاب میں
ہوتا ہے — آج تک کوئی نہیں جان سکا کہ نقاب کے
پیچھے کون ہے۔"

"لیکن نور کھنگر تو جانتا ہے یا نہیں؟"

"یہ صرف ایک خیال ہے — ضروری نہیں کہ وُہ جانتا ہو۔"

"اور تم؟" فرزانہ بولی۔

وہ زور سے چونکا — اس قدر زور سے کہ وہ حیرت زدہ
رہ گئے۔

حیران کُن لمحہ

" اگر خان جابر باس ہے ۔ تو بھی تم اس کے کارندے ہو اور خاص کارندے ۔ لہٰذا اب خود کو دوبارہ گرفتار کروا لو ۔ اور آرام سے ہمارے ساتھ چلے چلو ۔ خان جابر کو ہم بعد میں گرفتار کر لیں گے ۔"

" میں اگر چلا بھی جاؤں ۔ تم لوگوں کے ساتھ ۔ تو صدر مجھے پھر رہا کرنے کا حکم دے دیں گے ۔ خان جابر کا صدر پر بہت دباؤ ہے ۔ وہ جو چاہے ، صدر سے منوا سکتا ہے ۔ اس لیے کوئی فائدہ نہیں ہو گا ۔"

" میں نے تمھیں صرف اس لیے چھوڑا تھا کہ باس کا نام کسی طرح تم سے معلوم کر سکوں ۔ اور تم نے بتا دیا ۔ اب صدر بھی تمھیں مجھ سے نہیں چھڑوا سکیں گے ، کیونکہ میرے طریقے ذرا مختلف ہیں ۔"

" اوہو اچھا ۔ یہ بات ہے ۔ تو پھر اب ذرا میری

بات سُن لو ۔ پہلی بات تو یہ کہ تم مجھے یہاں سے لے جا ہی نہیں سکو گے ۔ کیونکہ میرے اس کمرے کے باہر سو کے قریب بیرے کھڑے ہیں ۔ اور پورا ہوٹل گاہکوں سے خالی ہو چکا ہے ۔ دوسری بات یہ کہ اگر کسی طرح تم مجھے یہاں سے لے بھی جاتے ہو تو فوری طور پر چھوڑنے پر مجبور ہو جاؤ گے ۔ کیونکہ میری طاقت کا اندازہ ابھی تم نہیں لگا سکے ۔"

" یہی تو دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم کہاں تک جا سکتے ہو ۔" انسپکٹر جمشید بولے ۔

" اچھی بات ہے ۔ اب تم جو چاہے ، کرو ۔ میں جو چاہوں گا ، وہ کروں گا ۔"

" ضرور ۔ کیوں نہیں ۔ کیا تم ایک بات اور بتا سکتے ہو ۔" انھوں نے کہا ۔

" کون سی بات ؟"

" مسلم ہال میں تمھارے باس کا کیا پروگرام تھا ؟"

" مہمانِ خصوصی کو قتل کرنا ۔ ایسے طریقے سے کہ قاتل وہاں ہوتے ہوئے بھی گرفتار نہ کیا جا سکتا ۔ لیکن اس کا یہ پروگرام تم نے فیل کر دیا ۔ اس لیے کہ تم اس طرح نظریں جمائے کھڑے تھے کہ اس کے ہاتھوں

کی حرکت تم سے چھپی نہ رہ سکتی — اور پھر تم اس سے
آلۂ قتل برآمد کر لیتے۔"

"آلۂ قتل؟" وہ چونک کر بولے۔

"ہاں! بلو پائپ — جو کہ تمباکو پینے کے پائپ کی
صورت میں تھا — لیکن پھونک مارتے ہوئے اور ہاتھوں
سے پائپ کا رُخ مہمانِ خصوصی کی طرف کرتے ہوئے
تم دیکھ لیتے — لہٰذا باس اس پروگرام پر عمل نہ کر سکے۔"

"کیا کہا — باس — تو وہاں باس خود موجود تھا۔" انسپکٹر
جمشید زور سے چونکے۔

اُدھر نور کھنگر دھک سے رہ گیا — اسے احساس ہو
گیا کہ اس نے ایک بالکل غلط جملہ بول دیا ہے —
کیونکہ ابھی وہ بتا چکا تھا کہ باس خان جابر ہے،
لیکن خان جابر اس کانفرنس میں نہیں تھا — اس لیے
کہ وہ تو حکومت کی مخالف سیاسی جماعت کا سربراہ تھا۔
مخالفین کو تو ایسے اجلاسوں میں بلایا نہیں جاتا۔

"تو اس کا مطلب ہے — تم نے ابھی ابھی جھوٹ بولا
تھا — خان جابر باس نہیں ہے۔"

"مجرم تو خیر وہی ہے — میں غلط کہہ گیا — مطلب یہ تھا
کہ باس کا بھیجا ہوا آدمی بلو پائپ سے وار نہ کر سکا۔"

"اور باس نے وہاں کسے بھیجا تھا؟"

"یہ میں کیا کہہ سکتا ہوں — اس کے سارے پروگراموں
کا علم مجھے تو نہیں ہوتا۔"

"لیکن تم تو باس کے دائیں بازو ہو — تمہیں پتا نہیں
ہوگا تو کسے ہوگا۔"

"نہیں — آپ بے شک خان جابر سے پوچھ لیں۔"

"اب تو میں محسوس کر رہا ہوں کہ وہ مجرم ہے
ہی نہیں۔" وہ مسکرائے۔

"اب میں کیا کہہ سکتا ہوں — کس طرح یقین دلا سکتا
ہوں۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"اچھی بات ہے — ہم معلوم کر لیں گے کہ مجرم کون ہے،
اب تم ہمارے ساتھ چلنے کی تیاری کرو — اب صدر صاحب
کے ذریعے سے رہا ہو کر دکھاؤ تو مانیں۔"

"اور تم مجھے یہاں سے لے جاؤ تو مانوں۔"

"اچھا یہ بات ہے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی انسپکٹر جمشید بجلی کی سی تیزی
سے حرکت میں آئے اور دوسرے ہی لمحے اس کی گردن
ان کے ہاتھ میں تھی:

"اب کیا کہتے ہو تم؟" وہ غرائے۔

"تم — انسپکٹر جمشید — اپنی موت کو آواز دے رہے
ہو — اور میرا تو تم بال بھی بیکا نہیں کر سکو گے۔"
"بہت خوب — ابھی میں نے تمہاری گردن پر
دباؤ کب ڈالا — یہ لو۔" یہ کہہ کر انھوں نے اس کی
گردن کو اس انداز میں پکڑا کہ اس کی جان پر بن
گئی — اب انھوں نے کہا:
"میں دروازہ کھلوا رہا ہوں — اپنے آدمیوں سے کہ
دینا کہ راستا چھوڑ دیں — کیونکہ جونہی میرے جسم کو
ذرا سا جھٹکا لگا — تمہاری گردن کی ہڈی ٹوٹ جائے
گی — تم محسوس کر ہی رہے ہو گے۔"
"ہاں! میں محسوس کر رہا ہوں — خدا کے لیے میری
گردن چھوڑ دو — تم جو کہو گے، میں کروں گا۔"
"نہیں — گردن نہیں چھوٹے گی — بہت بڑھ بڑھ کر
باتیں کر رہے تھے — اب آواز دو سو بیروں کی طاقت
کو — ذرا میں بھی تو دیکھوں — وہ تمہاری کیا مدد کر
سکتے ہیں۔"
"بھاڑ میں گئے سو بیرے — وہ نزدیک بھی نہیں
آئیں گے — آپ جلدی دروازہ کھلوائیں۔" اس نے مشکل
سے کہا۔

اور پھر خان رحمان نے دروازہ کھول دیا:
"خبردار! تم میں سے کوئی آگے نہ بڑھے — نہ کوئی
دخل اندازی کرے — میں اس وقت سخت مشکل میں
ہوں — اگر انسپکٹر جمشید کے جسم کو ذرا سا بھی جھٹکا
لگا — تو میری گردن کی ہڈی ٹوٹ جائے گی — لہٰذا
سب پیچھے ہٹ جاؤ۔"
بیرے کائی کی طرح پھٹ گئے — اور وہ اسے
لیے باہر نکل آئے — سب بت بنے کھڑے رہے،
کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ ان کا راستا روک
سکتا — نور کھنگر کے چہرے پر شدید تکلیف کے
آثار صاف نظر آ رہے تھے — ہوٹل کی حدود تک
بیروں نے اور ان سے آگے لوگوں نے اس منظر کو
حیرت زدہ نظروں سے دیکھا — اور اس وقت تک
دیکھتے رہے، جب تک کہ انسپکٹر جمشید اسے لیے خان
رحمان کی کار میں نہیں بیٹھ گئے۔
"تم اس خیال میں تھے کہ میں تمہارے ہوٹل میں
آ کر تمہارے قابو میں آ گیا ہوں — لیکن دیکھ لو —
میں ہوٹل سے اس طرح نکل آیا ہوں جیسے مکھن میں
سے بال نکل آتا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے نفرت زدہ

لہجے میں کہا۔

"لیکن بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔" اس نے بھی غرّا کر کہا۔

"اوہو — بھئی محمود، فاروق اور فرزانہ نظر نہیں آ رہے۔" خان رحمان چونکے۔

انسپکٹر جمشید نے چاروں طرف نظر دوڑائی اور بُرا سا منہ بنا کر بولے:

"ان کی بس یہی بات مجھے پسند نہیں — اپنی ڈیوٹی سے آگے بڑھ جاتے ہیں — جہاں تک رہنے کی ہدایت کی جاتی ہے، وہاں تک نہیں رہتے — معلوم ہوتا ہے — کہیں دخل اندازی کر بیٹھے ہیں، لیکن اب ہم ان کے لیے رک نہیں سکتے — اس لیے کہ ابھی صدر صاحب کا فون آ جائے گا۔"

"تو پھر چلو — بعد میں ان لوگوں کی فکر کر لیں گے۔" پروفیسر داؤد نے گھبرا کر کہا۔

اور وہ وہاں سے روانہ ہو گئے — انسپکٹر جمشید اسے سیدھا ایک خفیہ ٹھکانے پر لائے اور وہاں چھوڑ دیا — اس بات کا انھوں نے پہلے ہی خیال رکھا تھا کہ کوئی تعاقب تو نہیں کر رہا — بیروں نے تعاقب نہیں کیا تھا،

غالباً انھوں نے سوچا ہو گا — تعاقب کرنے کی کیا ضرورت — ابھی ان کا باس صدر صاحب کو فون کرے گا اور ابھی ان کے نور کھنگر کو چھوڑ دیا جائے گا — لیکن انھیں کیا معلوم تھا کہ انسپکٹر جمشید اسے اپنے دفتر نہیں لے جائیں گے — یا حوالات میں نہیں لے جائیں گے — بلکہ ایک خفیہ جگہ لے جائیں گے — جہاں صدر صاحب بھی ان سے رابطہ قائم نہیں کر سکیں گے۔

"اب تمھیں ایک دو دن یہاں گزارنا ہیں مسٹر نور کھنگر۔" انھوں نے کہا۔

"کیا مطلب! یہ کون سی جگہ ہے؟"

"بہت پُرسکون جگہ ہے۔"

"میں نے پوچھا — یہ جگہ کہاں ہے؟"

"یہ ایسی جگہ نہیں ہے — جہاں صدر صاحب کا فون پہنچ سکے۔"

"نن — نہیں — تم مجھے حبسِ بے جا میں نہیں رکھ سکتے۔" اس نے جھلّا کر کہا۔

"کیا کر رہے ہو بھئی — ارے میاں. بہت پُرفضا جگہ ہے یہ تو۔" خان رحمان ہنسے۔

"جب تک میں تمھارے باس کو گرفتار نہیں کر لوں

گا — اس وقت تک تمھیں یہاں رکھوں گا — اور با
کو گرفتار کرنے کے بعد تم دونوں کو باقاعدہ حوالا
میں رکھوں گا۔"

"تو یہ بے قاعدہ حوالات ہے۔" پروفیسر داؤد ہنسے۔

"اس کے لیے — ہمارے لیے یہی زیادہ قاعدے
حوالات ہے۔" خان رحمان بولے۔

نور کھنگر کا رنگ اڑ گیا — ایسے میں انسپکٹر جمشید بولے:

"ہاں تو باس کا نام کیا ہے؟"

"خان جابر۔" اس نے فوراً کہا۔

"بہت بہت شکریہ — آؤ بھئی چلیں۔" انھوں نے اٹھتے
ہوئے کہا۔

"اور میں یہاں تنہا رہوں گا۔"

"ہاں! اس وقت یہاں اور کوئی قیدی نہیں ہے
وہ بولے۔

"مم — میں تنہا رہنے کا عادی نہیں ہوں۔" اس نے
چیخ کر کہا۔

"افسوس! اس وقت میں تمھارے لیے کچھ اور قیدیوں
کا انتظام نہیں کر سکتا — ہاں! یہ ہو سکتا ہے کہ تم
دو چار بیروں کے نام پیغام لکھ دو — اگر وہ تمھاری تنہائی
دور کرنے کے لیے تمھارے ساتھ اس حوالات میں رہنا
پسند کریں گے تو میں انھیں یہاں لے آؤں گا۔" انسپکٹر جمشید
نے کہا۔

"اوہ ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔"

"تو پھر پیغام لکھ دو۔"

"یہ کیا کر رہے ہو جمشید — یہ تنہا تو یہاں سے نکلنے کی
کوشش نہیں کر سکے گا، لیکن جب یہ کئی ہوں گے تو..."
خان رحمان بولے۔

"فکر نہ کرو خان رحمان — یہ سو ہوں گے، تب بھی
نہیں نکل سکیں گے۔"

"اوہ اچھا، پھر تو ٹھیک ہے۔"

نور کھنگر نے جلدی جلدی پیغام لکھا اور ان کے حوالے
کر دیا، ساتھ ہی بولا:

"تو میں امید رکھوں — آپ یہ پیغام بیروں تک پہنچا
دیں گے۔"

"ہاں کیوں نہیں۔" وہ مسکرائے۔

پھر وہ وہاں سے روانہ ہو کر ہوٹل پہنچے — یہاں
تمام بیرے ایک جگہ اس طرح جمع تھے جیسے نور کھنگر
مر گیا ہو — انھیں دیکھ کر زور سے اچھلے اور کھڑے ہو

گئے ، پھر وُہ ایک ساتھ بولے :
" نور کھنگر کہاں ہیں؟"
" ایک خاص جگہ۔"
" صدر صاحب کو پتا چل گیا ہے۔ اور ان کا پا
آسمان سے باتیں کر رہا ہے۔"
" میں ان سے بات کر لوں گا۔ تم کیوں دُبلے
رہے ہو۔" انھوں نے منہ بنایا ، پھر رقعہ انھیں دیا۔
اُنھوں نے رقعہ پڑھا۔ بھی نے باری باری پڑ
پھر دس آدمی تیار ہو گئے اور ایک ساتھ بولے :
" ہم وہاں ان کے ساتھ رہیں گے۔"
" اتنے نہیں۔ صرف تین آدمی جا سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمش
نے مسکرا کر کہا۔
" ٹھیک ہے۔ تین ہی سہی۔"
تین آدمیوں کو ساتھ لے کر وہ اس عمارت تک
پہنچا آئے۔ پھر وہاں سے ہٹ کر کچھ فاصلے پر جا رُکے
" یہ تم کیا کر رہے ہو جمشید؟"
" جال بچھایا ہے میں نے۔" وہ مسکرائے۔
" کیا مطلب؟" دونوں چونکے۔
" بھئی ان لوگوں نے میرا تعاقب کیا ہے ، اپنی جان

میں بہت ہوشیاری سے۔ اور میں نے بھی ظاہر نہیں
ہونے دیا کہ مجھے تعاقب کا پتا چل گیا ہے۔ اب وُہ آئیں
گے اور اپنے ساتھیوں کو چھڑا لے جائیں گے۔"
" اس کا کیا فائدہ ہو گا؟"
" نور کھنگر اب رُکے بغیر باس کے پاس جائے گا۔
اور ہم اسے اس کے ساتھ پکڑ لیں گے۔ ویسے میں
باس کو گرفت میں لیتا تو اس کے خلاف ثبوت پیش
کرنے کے لیے دانتوں پسینہ آ جاتا۔ وُہ ایک ایسا مجرم ہے،
جو اپنے خلاف کوئی ثبوت نہیں چھوڑتا۔"
" تمھارا مطلب ہے۔ خان جابر۔" خان رحمان نے ان کی
طرف دیکھا۔
" میرا مطلب ہے باس۔" وُہ یہ کہہ کر ہنسے۔
جلد ہی انھوں نے دس کے قریب بیروں کو آتے
دیکھا اور پھر انھوں نے مل کر اس عمارت کا دروازہ توڑا،
اپنے چاروں ساتھیوں کو نکالا اور چلتے بنے۔
" اور اگر یہ سیدھا باس تک نہ گیا جمشید؟"
" تب میں اس پر دوسرے طریقے سے ہاتھ ڈالوں گا،
تم فکر نہ کرو۔"
" اور صدر صاحب کا کیا کریں؟"

"صدر صاحب سے فی الحال ہم ملاقات نہیں کریں گے۔" انھوں نے کہا۔

"اس طرح تو ان کا پارہ اور چڑھ جائے گا۔" خان رحمان نے کہا۔

"بھئی ہمیں ان کی طرف سے کوئی پیغام ملا کب ہے۔" انسپکٹر جمشید نے جھلّا کر کہا۔

"ہاں! یہ تو ہے۔"

اب انھوں نے ان کا تعاقب اس انداز میں کیا کہ انھیں قطعاً اندازہ نہ ہو سکا۔ لیکن یہ دیکھ کر ان کی حیرت اور بڑھی کہ وہ ہوٹل نور کا ہی رخ کر رہے تھے۔

"ہائیں جمشید۔ تمھارا اندازہ تو غلط ہو گیا۔"

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" وہ بڑبڑائے۔

"اچھا جب کچھ کہا جا سکے۔ اس وقت کہہ دینا۔"

"فاروق بننے کی کوشش نہ کرو یار۔ ارے مگر یہ لوگ کہاں ہیں بھئی۔" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"ہاں واقعی۔ وہ تو اس طرح غائب ہیں جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔"

"گدھا بھی کتنا ضروری جانور ہے۔ اردو زبان میں تو بار بار اس کا ذکر آ جاتا ہے۔" پروفیسر داؤد مسکرائے۔

"خیر۔ ان کی فکر بعد میں کریں گے، پہلے تو ان لوگوں کو دیکھ لیں کہ کرتے کیا ہیں۔"

انھوں نے نور کھنگر کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہوٹل میں داخل ہوتے دیکھا۔ دور سے ہی انھوں نے دیکھ لیا کہ سب بیرے اچھل کر کھڑے ہو گئے تھے۔ لیکن نور کھنگر نے ان کی طرف دیکھا تک نہیں۔ وہ سیدھا گیلری کی طرف گیا اور باقی بیرے وہیں کھڑے اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔

تھوڑی دیر بعد وہ اندر داخل ہوئے تو نور کھنگر انھیں گیلری میں کہیں بھی نظر نہ آیا۔ ہوٹل پہلے ہی سادہ لباس والوں کے گھیرے میں تھا۔ ان کے حکم پر وہ اندر داخل ہو گئے اور بیروں کی طرف پستول تان دیے۔ یہ دیکھ کر بیروں کے منہ سے نکلا:

"کیا مطلب؟"

"اب تم لوگ کوئی حرکت نہیں کرو گے۔ ورنہ ہم سے برا کوئی نہیں ہو گا۔" انسپکٹر جمشید نے سرد آواز میں کہا۔

"اب ہمیں آپ لوگوں کی کوئی پروا نہیں۔" ایک بیرے نے منہ بنا کر کہا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اب نور کھنگر آ گئے ہیں۔"

"تو پھر کیا ہو گا؟"

"نور کھنگر باس سے بات کریں گے اور باس آپ کے صدر سے — اس وقت آپ کہاں ہوں گے، آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"ہمیں سوچنے کی ضرورت بھی نہیں۔" خان رحمان نے منہ بنایا۔

انسپکٹر جمشید اس وقت تک گیلری کی طرف بڑھ چکے تھے — سامنے والی دیوار میں انھوں نے فوراً ہی تصویر والی جگہ کو بھانپ لیا —

"پہلے میں سادہ لباس والوں کو ہدایت دے دوں، یہاں ضرور کوئی خفیہ راستا ہے — ورنہ نور کھنگر اس طرح غائب نہ ہوتا۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے نیچے اُترے اور ساہ لباس والوں سے بولے:

"اگر ہم گیلری سے غائب ہو جائیں تو تم ان لوگوں کو باندھ کر گیلری میں آ جانا — وہاں دیوار پر ایک چھوٹی سی تصویر بنی ہے — اس کو دبا کر دیکھنا — امید ہے،

وہاں ایک عدد راستا نمودار ہو گا — اس کے بعد تو تم جانتے ہی ہو — کیا کرنا ہے۔"

"جی ہاں! آپ فکر نہ کریں۔"

عین اس وقت باہر ملٹری کی گاڑیاں رُکنے کی آواز سُنائی دی — انسپکٹر جمشید نے ایک نظر ان پر ڈالی اور گیلری کی طرف دوڑ لگا دی:

"اگر یہ لوگ میرے بارے میں پوچھیں تو بتا دینا، میں گیلری میں ہوں۔"

"او کے سر۔"

"آؤ بھئی — ورنہ یہ لوگ ہمیں گرفتار کرلیں گے — انھیں ضرور صدر صاحب نے بھیجا ہے۔"

"اوہ! آخر صدر صاحب کو ہو کیا گیا ہے۔" پروفیسر داؤد نے جھلا کر کہا۔

"یہ بعد میں دیکھیں گے۔"

اور جب وہ دوڑتے ہوئے اس تصویر تک پہنچے۔ عین اس وقت فوجی ہال کے اندر داخل ہوئے — اتنی دیر میں اِنسپکٹر جمشید تصویر کو دبا چکے تھے —

"ہیلو انسپکٹر جمشید — خبردار! ہمارے پاس تمھاری گرفتاری کے وارنٹ ہیں۔" ان کے ایک آفیسر نے بلند

آواز میں کہا۔

"اُوپر تشریف لے آئیے۔ اور ہمیں گرفتار کر لیجیے۔" انسپکٹر جمشید پُرسکون آواز میں بولے۔

"اس تعاون کا شکریہ انسپکٹر جمشید۔ ہمیں تو کچھ اور بتایا گیا تھا۔"

"کیا مطلب۔ کیا بتایا گیا تھا؟"

"یہ کہ۔ انسپکٹر جمشید گرفتاری نہیں دیں گے۔" ایک فوجی آفیسر نے کہا۔

"میری ایسی مجال کہاں؟"

فوجی آفیسر اُوپر چڑھنے لگے۔ تینوں آرام سے کھڑے رہے۔ جونہی وہ اُوپر آئے۔ ایک دروازہ نمودار ہوا اور فوجی زور سے چونکے:

"ارے! یہ کیا؟" آفیسر کے منہ سے نکلا۔

"اوہو۔ یہاں تو شاید کوئی تہ خانہ ہے۔" انسپکٹر جمشید نے بھی چونک کر کہا، پھر بولے:

"اور ہم شاید اسی کی تلاش میں تھے۔"

"کیا مطلب؟" فوجی آفیسر نے کہا۔

"ہمارے تین ساتھی غائب ہیں۔ شاید انھیں اغوا کر کے نیچے چھپایا گیا ہے۔ ہم تو آپ کے ساتھ چل ہی رہے

ہیں۔ بہتر ہو گا۔ ان لوگوں کو بھی ساتھ لے لیں۔ ورنہ ہو سکتا ہے۔ ہم پھر ان تینوں کو نہ دیکھ سکیں۔ کیا آپ اتنی مہلت دیں گے۔ آپ بھی ہمارے ساتھ نیچے آ سکتے ہیں۔"

"ضرور۔ کیوں نہیں۔"

اور پھر وہ مل کر نیچے اُترے۔ دوسرا لمحہ حیران کن تھا۔

سیدھی کھیر

"تم نے یہ اندازہ کس طرح لگایا؟" سیاہ فام کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جب یہاں کوئی نہیں ہوتا — اس وقت بھی تم یہاں ہوتے ہو — گویا باقی سب کی غیر حاضری میں بھی وہ تم سے بات کرتا ہے — ملاقات کرتا ہے یا ہدایات دیتا ہے۔" محمود بولا۔

"لیکن ان باتوں سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ وہ مجھے اپنی شکل بھی دکھا دیتا ہے۔"

"ہاں! لیکن اس کے باوجود میں یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ تم یہ بات جانتے ہو۔"

"تمہارے اس یقین پر مجھے حیرت ہو رہی ہے، آخر تمہیں یقین کس طرح ہے؟"

"تم مسلم ہال کے باہر موجود تھے۔" فرزانہ نے سرسراتی

آواز میں کہا۔

"کیا!!!" وہ اور زور سے اچھلا۔

"ہاں! ہم نے تمہیں وہاں سے کچھ فاصلے پر کھڑے دیکھا تھا — آخر کیوں — تم وہاں کیا کر رہے تھے؟"

"تم — میں — وہاں — بس مجھے باس نے ہدایت دی تھی — کہ وہاں موجود رہوں۔"

"تاکہ باس کو فرار ہونے کی ضرورت پیش آئے تو تم گاڑی میں اسے لے اڑو۔"

"ہاں! یہی بات تھی۔"

"تو باس کانفرنس میں شریک تھا؟"

"ہاں!" اس نے کہا۔

"اور اسی لیے ابّا جان اپنی جگہ سے نہیں ہلے۔"

"تمہارے والد کی وجہ سے ہی اس دن ناکامی ہوئی تھی اور آج اس ناکامی کا انتقام تم سے لیا جائے گا۔" اس نے سرد آواز میں کہا۔

"کیا — ان کرسیوں پر ہوٹل کے بیرے بیٹھتے ہیں؟"

"نہیں — وہ تو یہاں آ بھی نہیں سکتے۔"

"اوہو اچھا، پھر کون بیٹھتا ہے؟"

"تم دیکھ ہی لوگے۔" اس نے پُراسرار انداز میں کہا۔

اور پھر تہ خانے کے ایک اور دروازے سے
مہمانوں کی آمد شروع ہو گئی — وہ کرسیوں پر
بیٹھتے چلے گئے — وہ اسی طرح اس سیاہ فام کے
سامنے کھڑے تھے — چاہتے تو اس پر حملہ کر
سکتے تھے، لیکن باس کے آنے سے پہلے کچھ
کرنے کے موڈ میں نہیں تھے — اور آخر ساری
کرسیاں پُر ہو گئیں — مارے حیرت کے ان کا
بُرا حال تھا — یہ شہر کے سب بڑے
بڑے باعزت لوگ تھے — سرمایہ دار لوگ —
بڑی بڑی زمینوں کے مالک لوگ — کارخانوں
کے مالک لوگ — فیکٹریوں کے مالک لوگ — اور سب
یہاں جمع تھے — اس باس کے دربار میں جو ان
کے نزدیک بہت بڑا مجرم تھا — آخر یہ اتنے
شریف، بڑے لوگ یہاں کیوں جمع تھے — کیا یہ
سب اس باس کے لیے کام کرتے تھے — یہ بات
ان کے لیے کم حیرت کی نہیں تھی — اور پھر ٹھیک
ایک گھنٹے بعد باس کی تشریف آوری ہوئی —
وہ واقعی سر سے لے کر پیر تک سیاہ لباس میں
تھا — سب لوگ اسے دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے

اور اس کے بیٹھنے کے بعد بیٹھے —
"آج کے مُجرم حاضر ہیں باس" سیاہ فام نے فخر کے
لہجے میں کہا۔
"ہوں! کھڑے رہنے دو انھیں — پہلے میں ضروری
کام کر لوں — پھر انھیں زندہ قبرستان میں پھینکنے کی رسم
ادا کی جائے گی"
"او کے باس"
"اپنی اپنی کارروائی پیش کرو — ماہانہ کارروائی" باس کی
آواز گونجی — ایک طرف سے باری باری آدمی اُٹھنے لگے —
ہر آدمی اٹھ کر اپنی کارگزاری سُنانے لگا — مثلاً پہلے
نے کہا:
"اس ماہ میں نے شہر میں بم کے تین دھماکے کرائے،
پہلا گل چوک میں، دُوسرا عالم مارکیٹ میں، تیسرا نوروز
بازار میں — تینوں دھماکوں میں کل انیس آدمی مرے اور
چالیس سے زائد زخمی ہوئے — بعد میں زخمیوں میں سے
بھی نو آدمی چل بسے" یہ کہہ کر وہ بیٹھ گیا۔
"بہت خوب!" یہ کہہ کر اس نے دوسرے کی طرف دیکھا،
اب وہ کھڑا ہوا اور کہنے لگا:
"میں نے اس ماہ شہر میں ایک اور بڑا جوا خانہ قائم کیا۔

وہ اس قدر خفیہ ہے کہ حکومت کا کوئی آدمی اب اس
میں داخل نہیں ہو سکتا — صرف ممبر داخل ہو سکتے ہیں۔
اس جوئے خانے سے صرف ایک ہفتے میں دو کروڑ روپے
کی آمدنی ہوئی۔"

"بہت خوب!" اس نے کہا اور پھر تیسرا آدمی اپنی کرسی
سے اٹھ کر کہنے لگا:

"میں نے اس ایک ماہ کے اندر ہیروئن کے پچاس
اور عادی بنا دیے — یعنی پچاس بڑے آدمیوں کو ہیروئن
کی لت لگا دی — اب وہ پوری طرح میری مٹھی میں
ہیں — ہم ان سے بڑے بڑے کام لے سکتے ہیں —
جس طرح نور کھنگر کے معاملے میں ہم نے تمام بڑے
بڑے لوگوں سے دباؤ ڈلوایا تھا نا — باس۔"

"ہاں! میں سمجھ گیا — بہت خوب۔"

اسی طرح وہ باری باری اٹھتے رہے اور اپنے سیاہ
کارنامے فخر کے ساتھ بیان کرتے رہے — محمود، فاروق،
فرزانہ اور اکرام کو سن سن کر گھن آتی رہی — یہاں تک
کہ ان سب کا بیان ہو گیا — اس کے بعد باس
نے کہا:

"تمام کارگزاری قابلِ اطمینان ہے — اسی طرح زور شور

سے اس ملک کی جڑیں کھوکھلی کرتے رہیں یہی ہماری
زندگی کا مقصد ہے۔"

عین اس وقت باس کی کرسی کے پاس رکھے ٹرانسمیٹر
سیٹ پر اشارہ موصول ہوا، اس نے فوراً سیٹ آن
کر دیا اور بولا:

"یس سر — آپ کا خادم اس طرف حاضر ہے۔"

"مسلم ہال میں مہمانِ خصوصی کو کیوں نہ اڑایا جا سکا —
جب کہ یہ کام خود تمہیں کرنا تھا۔"

"انسپکٹر جمشید کی وجہ سے، اس کی عقابی نظریں اس
طرح سب پر جمی تھیں کہ میں ذرا سی بھی حرکت کرتا
تو وہ فوراً جان لیتا اور پھر میں اس کے ہاتھوں بچ
نہیں سکتا تھا۔"

"تو اس کا دھیان ہٹانے کی کوشش کی جا سکتی تھی۔"

"اس کی پوری پوری کوشش کی گئی۔"

"مثلاً کیا طریقہ کار اختیار کیا گیا؟"

"میں نے یہاں سے خفیہ اشارہ اپنے خاص کارندے
کو دیا — پہلے ہی طے کر لیا گیا تھا کہ اگر میں کچھ
کرنے کے قابل نہ ہو سکا تو وہ ہال کے اندر کھلبلی
مچوائے گا — تاکہ مجھے کام کرنے کا موقع آسانی سے

مل جائے، لہٰذا اس نے انسپکٹر جمشید کے بچوں کو فون
کر کے اطلاع دی کہ مسلم ہال کو ٹائم بم سے اڑا دیا جائے
گا — لہٰذا وہ حرکت میں آ گئے — وہ ہال میں داخل
ہونے میں کامیاب ہو گئے اور یہ اطلاع بھی انسپکٹر
جمشید کے کانوں تک پہنچ گئی کہ ہال میں بم پھٹنے والا
ہے — اس کے باوجود انسپکٹر جمشید اپنی جگہ سے ٹس سے
مس نہ ہوا — اس نے نظر کو ہٹانے کی ذرا سی
بھی کوشش نہ کی — پھر اسے یہ اطلاع ملی کہ محمود، فاروق
اور فرزانہ تہ خانے میں بے ہوش پائے گئے ہیں، لیکن
اس خبر پر بھی اس نے کوئی حرکت نہ کی۔"

"حیرت ہے — بہت مضبوط اعصاب کا مالک ہے یہ شخص۔"

"اور اس طرح میں کامیاب نہ ہو سکا۔"

"خیر کوئی بات نہیں — آئندہ سوچ سمجھ کر منصوبہ ترتیب
دیا جائے گا — انسپکٹر جمشید کو پہلے ہی ملک سے باہر
کہیں بھجوا دیا جائے گا — کسی ملک میں ایسے حالات
پیدا کرنا کیا مشکل ہے — اور ادھر ان کی میٹنگ کے
انتظامات کر دیے جائیں گے۔"

"بہت بہت شکریہ سر۔"

"اپنی کارروائیاں اور تیز کر دو — اب تم لوگوں کو

گرفتاری کا تو کوئی خوف رہا نہیں — صدر تک تمھارا کچھ
نہیں بگاڑ سکتا — نور کھنگر کے معاملے میں تم نے
دیکھ ہی لیا — انسپکٹر جمشید کچھ نہ کر سکا۔"

"یس سر!" باس نے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے — اپنا کام کرو۔"

"ایک منٹ سر — میں آج اس میٹنگ کے ختم ہونے پر
محمود، فاروق اور فرزانہ کو ختم کر رہا ہوں۔"

"بہت خوب! یہ ہمارے لیے بہت شان دار خبر ہو
گی — اس خبر سے انسپکٹر جمشید کا دماغی توازن ضرور خراب ہو
جائے گا اور وہ کسی کام کا نہیں رہ جائے گا۔"

"بس سر — یہ اطلاع دینا تھی۔"

"ٹھیک ہے۔" آواز آنا بند ہو گئی — باس نے بٹن آف
کر دیا۔

"کارروائی مکمل ہو چکی — اب ذرا زندہ قبرستان کا
ڈھکنا اٹھایا جائے اور انھیں باری باری نیچے پھینک
دیا جائے۔"

"لیکن مرنے والوں کی آخری خواہش کون پوری کرے
گا؟" ایسے میں فاروق نے چہک کر کہا۔

"کیا مطلب؟" باس چونکا۔

"ہم مرنے سے پہلے تمہارا اصلی چہرہ دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"افسوس، تمہاری یہ خواہش پوری نہیں کی جا سکتی۔ اس لیے کہ یہاں سب لوگ موجود ہیں۔"

"تو ہمیں ان لوگوں کو رُخصت کرنے کے بعد تہ خانے میں پھنکوا دیا جائے۔ اس سے پہلے ہم تمہاری شکل دیکھ سکیں گے۔"

"نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔"

"کیا مطلب۔ کیا نہیں ہو سکتا؟" فارُوق نے حیران ہو کر کہا۔

"اپنے ساتھیوں کے سامنے تمہیں زندہ قبرستان میں پھنکوایا جائے گا۔ میں انھیں اس منظر سے محروم رکھنا نہیں چاہتا اور نہ میں اپنے ساتھیوں کے دل توڑنا پسند کرتا ہوں۔ یہ کیا خیال کریں گے۔" باس نے جلدی جلدی کہا۔

"اچھی بات ہے۔"

"اٹھاؤ بھئی زندہ قبرستان کا ڈھکنا۔" باس نے سیاہ فام سے کہا۔

وُہ فرش کے بیچوں بیچ پہنچا اور وہاں رکھے ایک چوکور دروازے کا کنڈا پکڑ کر اُٹھا دیا۔

شدید ترین بدبُو ان کے ناکوں میں آنے لگی۔ باس نے چیخ کر سیاہ فام کو حکم دیا:

"جلدی کرو۔ انھیں پکڑ کر نیچے پھینکو اور دروازہ بند کر دو۔"

سیاہ فام جُونہی ان کی طرف بڑھا۔ وہ اچھل کر ادھر اُدھر ہو گئے۔

"اب ہم اتنی بھی سیدھی کھیر نہیں ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ہم یوں قابو آنے والے نہیں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"جلدی پکڑو انھیں۔ میرا دماغ پھٹا جا رہا ہے۔" باس نے پھر چیخ کر کہا۔

"تو یہ ڈھکنا بند کیوں نہ کر دیا جائے۔ پہلے ان پر قابو پا کر انھیں باندھ لیا جائے۔ اور پھر ڈھکنا اٹھایا جائے۔ ورنہ اس طرح تو ہم سب کے دماغ سڑ جائیں گے۔" ایک نے تجویز پیش کی۔

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔ پہلے انھیں پکڑ کر باندھا جائے۔" باس نے فوراً کہا۔

ڈھکنا بند کر دیا گیا — پھر سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے — صرف سیاہ فام اور محمود، فاروق، فرزانہ اور اکرام میدان میں رہ گئے —

"چلو جوزا، پکڑو انھیں۔" باس نے سیاہ فام کو حکم دیا۔

انھوں نے اچھل کود اور بھاگ دوڑ شروع کر دی، سیاہ فام ان کے پیچھے بھاگ بھاگ کر تھک گیا، آخر باس نے جھلّا کر کہا:

"ختم کرو — تم اکیلے انھیں نہیں پکڑ سکتے — دس آدمی مل کر انھیں پکڑیں۔"

اب کرسیوں پر سے دس آدمی اُٹھے اور انھیں پکڑنے کی کوشش کرنے لگے —

"ہمارے خیال میں تو آپ دس اور کو حکم دیں۔" محمود ہنسا —

باس کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیلتی جا رہی تھیں، آخر اس نے تنگ آ کر کہا:

"دس اور اُٹھیں — بس مل کر انھیں پکڑیں۔"

دس اور اُٹھے — ہال بہت بڑا تھا — اور بھاگ دوڑ کا خوب موقع تھا — لہٰذا وہ چاروں انھیں جھکائی پر جھکائی دینے لگے — ایسے میں محمود نے کہا:

"صرف جھکائیاں دینا کافی نہیں۔"

"تو پھر؟"

"یہ لوگ اس قابل ہیں کہ ان کی خوب مرمت کی جائے۔"

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔" فاروق اور فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔

اب انھوں نے جھکائیاں دینے کے ساتھ ساتھ اپنی لاتیں اور گھونسے بھی استعمال کرنا شروع کر دیے — لہٰذا ہال میں چیخ و پکار گونجنے لگی — باس کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور دوسرا جا رہا تھا — اب تک اس کے کئی ساتھی زمین پر لمبے لیٹ چکے تھے — شاید اس نے اس قدر حیرت انگیز منظر اپنی زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا:

"یہ ہو کیا رہا ہے — تم سے یہ لوگ نہیں پکڑے جاتے۔"

"آپ یہ بھی تو سوچیں باس — کہ یہ بچے بڑے خطرناک ہیں — آخر کو اِنسپکٹر جمشید کے بچّے ہیں — انھوں نے تو بڑے بڑے بین الاقوامی مجرموں کو ناکوں چنے چبوا دیے ہیں۔"

"اچھا تو پھر تم سب ایک طرف ہٹ جاؤ — یہی ہے نا کہ ہمارے اس ہال کا فرش گندہ ہو جائے گا ان کے خون سے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کے ہاتھ میں پستول نظر آیا۔

"بہت خوب باس۔ یہ ہوئی نا بات۔" سیاہ فام نے خوش ہو کر کہا۔

"سب ایک طرف ہٹ جائیں۔ میں انھیں نشانہ بناؤں گا۔" باس گرجا۔

اس کے ساتھی جلدی جلدی کرسیوں پر جا بیٹھے، ہال کے درمیان میں صرف وہ چاروں کھڑے رہ گئے۔ اب وہ گولی سے بچنے کے لیے پر تول چکے تھے۔

باس کی انگلی ٹریگر پر دباؤ ڈالنے لگی، پھر اچانک فائر کی آواز گونجی۔

مجرم بے نقاب

فائر کی آواز گونجتے ہی انھوں نے اپنی جگہ سے چھلانگیں لگا دی تھیں، بلکہ اس سے ایک لمحہ پہلے۔ لیکن انھوں نے پھر یہ منظر دیکھا کہ باس کے ہاتھ سے پستول نکل چکا تھا اور اس کے ہاتھ کی ہتھیلی سے خون تیزی سے بہ رہا تھا۔

"ہائیں! یہ آپ نے کیا کیا۔ نال کا رخ اپنی ہتھیلی کی طرف کر کے پستول چلا دیا۔ بھئی واہ! ایسی کاری گری تو کسی کی دیکھی نہ سنی۔" فاروق نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"خبردار۔ تم لوگوں میں سے کوئی حرکت نہ کرے۔" ایک گرج دار آواز سنائی دی۔

"ارے باپ رے۔ یہ آواز تو ابا جان جیسی آواز ہے۔ یہ اور کمال ہے۔ تہ خانے میں ابا جان کی آواز۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

اب جو انھوں نے مُڑ کر دیکھا تو سیڑھیوں کے پاس
انسپکٹر جمشید، خان رحمان اور پروفیسر داؤد کے ساتھ بہت
سے فوجی بھی کھڑے تھے:
"ارے! یہ تو پوری فوج آ گئی۔" فارُوق چہکا۔
"یار فاروق! اب چُپ ہو جاؤ — کسی دوسرے کو بھی
کچھ کہنے دو۔" محمود نے تنگ آ کر کہا۔
"تو میں نے کیا کسی کو روکا ہے۔"
"فاروق چُپ — اب باتیں کرنے کی باری میری ہے،
تم نے آخر اتنی دیر تک کافی باتیں کر ہی لی ہوں گی۔"
انسپکٹر جمشید خوش گوار لہجے میں بولے، پھر وُہ فوجیوں کی
طرف مُڑے:
"آپ دیکھ رہے ہیں جناب — ہم انھی چاروں کی
تلاش میں تھے۔"
"ارے مگر — یہ اس نقاب پوش کے ہاتھ سے خون
کیوں بہ رہا ہے؟" پروفیسر داؤد ہنسے۔
"پستول چلانا نہیں آیا — اُلٹا پکڑ کر چلا دیا — حالانکہ
فائر ہماری طرف کرنا تھا۔" فارُوق بولا۔
"تم پھر بولے۔"
"پروفیسر انکل کی بات کا جواب دیا ہے ابا جان میں نے تو،

بولا کہاں ہوں۔" فارُوق بولا۔
"جی ہاں! یہ تو جب بولیں گے چھپر پھاڑ کر بولیں گے۔"
فرزانہ جل کر بولی۔
"تو پھر کیا ہوا — اللہ تعالیٰ بھی تو جب دیتا ہے — چھپر
پھاڑ کر دیتا ہے۔" فارُوق نے فوراً کہا۔
"توبہ ہے تم سے — بھئی چُپ رہو۔"
"جی بہتر! اب ہم ایسے چُپ ہو کر دکھائیں گے کہ
کیا کبھی چُپ ہوتے ہوں گے۔" یہ کہہ کر اس نے مضبوطی
سے ہونٹ بھینچ لیے۔
"یہ سب کیا چکر ہے — ہم تو یہاں —" فوجی آفیسر
نے کہنا چاہا۔
"جی ہاں! آپ تو یہاں ہمیں گرفتار کرنے آئے تھے،
تو کر لیجیے گرفتار — لیکن — یہ بھی تو دیکھیں کہ یہاں
ایک عدد نقاب پوش کیوں موجود ہے — اور جناب یہ
سب شریف لوگ یہاں کیوں جمع ہیں — یہ تو ہمارے
ملک کے بہت بڑے بڑے نامی گرامی اور سرمایہ دار
لوگ ہیں — یہ سب یہاں کیا کر رہے ہیں — یہ تو
ایسا لگتا ہے جیسے کسی بادشاہ کا دربار لگا ہوا ہے
اور اس دربار میں یہ چاروں مجرموں کی طرح کھڑے تھے،

باقی سب بیٹھے تھے — اور ان پر فائر ہونے ہی والا
تھا — اگر میں سیاہ پوش صاحب کے ہاتھ پر فائر نہ کر
دیتا تو نہ جانے کیا ہو جاتا — میں درست کہ رہا ہوں یا
غلط ؟" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

" درست !" ایک فوجی نے فوراً کہا۔

" اب آپ ذرا ان صاحب سے پوچھیں — یہ یہاں کیا کر
رہے ہیں — ہمیں آپ بے شک پہلے گرفتار کر لیں یا
ان سے بات کرنے کے بعد — قسم لے لیں ، ہم فرار
ہونے کی ذرا بھی کوشش نہیں کریں گے۔"

" نہیں خیر — وہ تو ہم جانتے ہیں — آپ کیوں فرار
ہونے لگے ۔"

" نہیں — میرا مطلب ہے — آپ کو تو چوکنّا کر کے
بھیجا گیا ہے نا کہ ہم گرفتاری نہیں دیں گے ، حالانکہ ایسی
کوئی بات سرے سے نہیں ہے ۔"

" بالکل ٹھیک — آپ کو ہم بعد میں گرفتار کریں گے ۔
اے مسٹر ! تم بتاؤ — تم نے ان سب لوگوں کو یہاں
کیوں جمع کر رکھا ہے ؟"

" کرنل صاحب — آپ ان لوگوں کو گرفتار کریں اور یہاں
سے جائیں — آپ کو ان لوگوں کو گرفتار کرنے کے لیے

بھیجا گیا ہے — آپ بس اتنا کام کریں — اور یہاں سے
جائیں — یہ میرا اور ان کا معاملہ ہے کہ ہم یہاں کیوں
جمع ہیں — ویسے میں اتنا بتا دینے میں کوئی حرج نہیں
سمجھتا کہ ہم لوگ کاروباری غرض سے جمع ہیں ۔"

" تو اس کے لیے نقاب میں رہنے کی کیا ضرورت ہے ؟"

" یہ میرا اور ان کا معاملہ ہے ۔"

" نہیں جناب ! یہ ان کا اور ان کا معاملہ نہیں ہے ۔"
ایسے میں محمود نے بلند آواز میں کہا۔

" کیا مطلب — ان کا اور ان کا معاملہ نہیں ہے — یہ کیا
بات ہوئی ؟" کرنل نے حیران ہو کر کہا۔

" جی ہاں ! میرا مطلب ہے — یہ نقاب پوش صاحب کا
اور ان لوگوں کا معاملہ نہیں ہے ۔"

" تو پھر کن کا اور کن کا معاملہ ہے ؟" کرنل نے مسکرا کر کہا۔

" یہ مُلک اور قوم کا معاملہ ہے ۔" محمود نے کہا۔

" کیا مطلب ؟"

" تھوڑی دیر پہلے ان کے درمیان جو گفت گو ہوئی —
ہم آپ کو وہ گفت گو سنا دیں ۔"

" یہ جو کچھ بھی کہیں گے ، جھوٹ کہیں گے جناب — اس
بات کو لکھ لیں ۔"

"یہ لیجیے قلم۔" فاروق نے فوراً جیب سے قلم نکال کر کرنل کی طرف بڑھایا۔

"کیا مطلب؟" کرنل کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میرا مطلب ہے — قلم لے لیں لکھنے کے لیے — آپ کی جیب میں مجھے نظر نہیں آیا۔"

"لیکن میں لکھوں کیا؟" کرنل نے جھلّا کر کہا۔

"یہ کہ یہاں ہونے والی گفت گو، ہم سب کی سب غلط بتائیں گے — یعنی جھوٹ بولیں گے — جب کہ ہمارا دعویٰ ہے کہ لفظ بہ لفظ درست بتائیں۔"

"لفظ بہ لفظ درست کس طرح بتا سکتے ہو، کیا تم ایک بار کسی کا بیان سُن کر اس کو حفظ کر لیتے ہو؟"

"ہاں بالکل — اگر یقین نہیں تو تجربہ کر لیں۔"

"کرنل صاحب! یہ جو کچھ بھی کہیں گے، بالکل جھوٹ کہیں گے — میرے خلاف سازش کر رہے ہیں یہ۔"

"وہی تو میں جاننا چاہتا ہوں — تم ہو کون؟" کرنل نے بُرا سا منہ بنایا۔

"بالکل کرنل صاحب — یہی ہم جاننا چاہتے ہیں۔" خان رحمان بولے۔

"پہلے وہ لفظ بہ لفظ گفت گو کیوں نہ سُن لی جائے؟"

کرنل نے کہا۔

"ضرور کیوں نہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے، پھر محمود سے بولے:

"چلو محمود — سُنا دو گفت گو — اس ثبوت کے ساتھ کہ وہ لفظ بہ لفظ درست بھی ہو۔"

"بہت بہتر!"

اور پھر محمود نے اپنی کلائی پر بندھا گھڑی کی شکل کا ٹیپ ریکارڈر آن کر دیا — جلد ہی اس پر وہ گفتگو سنائی دینے لگی — جو یہاں کی گئی تھی — اس گفت گو کو سن کر فوجیوں کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیلتی چلی گئیں — اور پھر گفت گو ختم ہو گئی —

"اُف مالک — یہ — یہ میں نے کیا سُنا ہے؟"

"ان لوگوں کو گرفتار کرنے کی ہی پاداش میں ہمارے وارنٹ آپ لیے پھر رہے ہیں — دراصل میں نے اس شخص کے ایک اہم ترین آدمی کو گرفتار کیا تھا — بس اس وقت سے یہ میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے — اب آپ جب ساری تفصیل سن چکے ہیں تو آپ کو ان سب کو گرفتار کرنا چاہیے یا نہیں؟"

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔"

"لیکن کرنل صاحب — آپ اپنے ملک کے صدر کا حکم

کس طرح ٹال سکیں گے — ان کا حکم تو یہ ہے کہ
انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا جائے۔
اور آپ گرفتار کر رہے ہیں ہمیں۔"

" میں ان لوگوں کو بھی گرفتار کروں گا۔"

" ضرور کیوں نہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے، پھر انھوں نے
جلدی سے کہا:

" بلکہ میری تو تجویز یہ ہے کہ ہم سب کو اسی حالت
میں گرفتار کر کے صدر صاحب کے سامنے پیش کر دیا
جائے — یا پھر صدر صاحب کو یہیں بلا لیا جائے، تاکہ
وہ اس دربار کو بھی دیکھ لیں۔"

" اچھی بات ہے — میں صدر صاحب سے بات کرتا
ہوں۔" یہ کہ کر کرنل نے وائرلیس پر صدر سے رابطہ
قائم کرنے کی کوشش شروع کی — جلد ہی سلسلہ مل گیا۔
کرنل بولے:

" ہیلو سر — میں ان تک پہنچ گیا ہوں — لیکن جس
جگہ یہ لوگ موجود ہیں — وہاں سو کے قریب دشمن
ملک لوگ بھی موجود ہیں — انھوں نے ملک اور قوم
کو ایسے زبردست قسم کے نقصانات پہنچائے ہیں کہ
بیان نہیں کیے جا سکتے — آپ یہیں آکر ان سب کو

دیکھنا پسند کریں گے یا پھر آپ کے پاس ان سب کو
لایا جائے؟"

" نہیں — میں ہی آ جاتا ہوں۔" صدر صاحب بولے۔

" شکریہ سر — ہم آپ کا انتظار کریں گے — آپ
کو نور ہوٹل تک آنا ہے — ہال میں داخل ہونے کے
بعد آپ جو سامنے گیلری نظر آئے، اس میں آجائیں،
ہم لوگ وہاں آپ کا استقبال کریں گے۔"

" اچھی بات ہے — میں آ رہا ہوں۔"

آدھ گھنٹے بعد صدر صاحب وہاں پہنچ گئے — کرنل
کے ساتھی باہر کھڑے نظر آئے — لہٰذا وہ سیدھے
گیلری پر چڑھ گئے اور پھر وہ انھیں لے کر تہ خانے
میں داخل ہوئے۔

" اوہو — یہ کیا — اتنا بڑا تہ خانہ۔" صدر صاحب نے
حیرت زدہ انداز میں کہا۔

" ابھی آپ نے کیا دیکھا ہے سر۔" کرنل نے مسکرا
کر کہا۔

اور پھر ہال دیکھ کر اور ہال میں لگا دربار دیکھ کر
تو صدر صاحب کی سٹی گم ہو گئی — ان کی نظریں باس پر
جم گئیں۔

"یہ کون ہے؟"

"اس کا نقاب ابھی تک اس لیے نہیں اتارا گیا۔ کہ آپ کے سامنے اتاریں گے۔ تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔" فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔

"اوہو! تو تم لوگ بھی یہاں موجود ہو۔"

"کیا کیا جائے سر۔ مجبوری ہے۔"

صدر صاحب مسکرا دیے، پھر کرنل کی طرف مُڑے:

"لیکن میں نے تو ان لوگوں کو گرفتار کرنے کا حکم دیا تھا اور میں ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں نہیں دیکھ رہا۔"

"حالات کچھ اس طرح پیش آئے کہ ابھی تک اس کام کی مہلت نہیں ملی۔ ویسے ان لوگوں نے، ہمیں دیکھتے ہی فوراً گرفتاری دینے پر رضامندی ظاہر کر دی تھی۔ اور یہ اب بھی تیار ہیں۔"

"بالکل"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"خیر۔ پہلے میں اس نقاب پوش کو دیکھنا پسند کروں گا۔" صدر صاحب نے کہا۔

"لیکن اس سے پہلے ان لوگوں کے کارنامے کیوں نہ سُن لیں آپ۔"

"یہ بھلا اپنے کارنامے ہمیں کیوں سُنانے لگے؟"

"محمود، فاروق اور فرزانہ نے ان کے کارنامے ٹیپ کر لیے تھے۔"

"بہت خوب! تو پھر جلدی سناؤ نا۔"

"آپ کھڑے کھڑے تھک جائیں گے۔ اس طرف آ جائیں۔"

"نہیں! میں قوم کا یہ مقدمہ کھڑے رہ کر سُنوں گا۔"

ٹیپ کو لوٹایا گیا اور پھر چلایا گیا۔ صدر صاحب نے ایک ایک لفظ غور سے سُنا، پھر بولے:

"افسوس! یہ لوگ۔ یہ بڑے بڑے لوگ۔ سرمایہ دار لوگ۔ سیاسی لیڈر لوگ۔ مذہبی لوگ بھی۔ ان کے کارنامے یہ ہیں۔"

"جی ہاں! یہی آپ کو دکھانا چاہتا تھا۔ اسی لیے ایک بار پھر نور کھنگر کو پکڑ کر یہاں سے لے گیا۔ تاکہ یہ لوگ اسے چھڑانے کے لیے ایک بار پھر حرکت میں آئیں، اسے چھڑا کر لے جائیں اور نور کھنگر فوراً باس کا رخ کرے۔ یہ اور بات ہے کہ باس تو اس ہوٹل کے نیچے ہی لوگوں سے ملاقات کرتا ہے۔ اس بات کا اگر پتا ہوتا تو یہ چکر چلانے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔"

"ہوں — اور کانفرنس ہال کا کیا چکر تھا؟" صدر صاحب نے کہا۔

"مہمانِ خصوصی کو ہلاک کرنا چاہتا تھا یہ شخص — لیکن میں نے تمام حاضرین پر اس طرح نظر رکھی کہ یہ حرکت بھی نہ کر سکا — پھر انھوں نے بم کی افواہ والا چکر محمود، فاروق اور فرزانہ کے ذریعے چلایا — تاکہ میں بوکھلا کر ہال سے نکل جاؤں — بم نہ ملا — لیکن محمود، فاروق اور فرزانہ کے بے ہوش ہونے کی اطلاع ملی — میں پھر بھی نہ ہلا اور اس طرح ان کا منصوبہ فیل ہوگیا — آپ کو نور کھنگر کو رہا کرنے کے لیے کس ملک کے سربراہ نے کہا تھا؟"

"انشارجہ کے۔"

"ہاں! بس — انشارجہ ہی یہ چاہتا تھا کہ یہ کانفرنس کامیاب نہ ہو — لہٰذا اس نے یہاں موجود اپنے اس کارندے کو حکم دیا کہ تم تو چونکہ کانفرنس میں شریک ہو گے — لہٰذا یہ کام تم کرنا — یہ ان لوگوں کو معلوم تھا کہ وہاں حفاظتی انتظامات بہت سخت ہوں گے — لہٰذا یہ کام کوئی ایسا آدمی ہی کر سکتا تھا، جسے وہاں دعوت دی گئی ہو — کوئی فالتو آدمی داخل کرنا تو قریب

قریب ناممکن تھا۔"

"اُف میرے مالک — جمشید، اگر تم وہاں سے ہٹ جاتے تو کیا ہوتا؟"

"مہمانِ خصوصی ہلاک کر دیے جاتے اور ہمارے ملک کی بدنامی تو ہوتی ہی — کانفرنس بھی ناکام ہو جاتی — ملک کو اس قدر نقصان پہنچتا کہ کیا بتاؤں۔"

"ہاں جمشید — اس کا اندازہ تو ہم لگا ہی سکتے ہیں — اب یہ بھی تو بتاؤ — یہ ہے کون؟"

"بتانے کی بجائے — آپ کو دکھا دیتے ہیں۔"

"ویسے ابا جان — کیا آپ جانتے ہیں — یہ کون ہے؟" محمود نے کہا۔

"ہاں! میں نے تو کانفرنس ہال میں ہی بھانپ لیا تھا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہوں — خیر — نقاب اٹھا دو۔" صدر صاحب بولے۔

اس وقت تک فوجی ان میں سے ہر ایک کے پیچھے پہنچ چکے تھے — اور ان کا اسلحہ قبضے میں لے چکے تھے — نقاب پوش باس کا اسلحہ بھی لے لیا گیا تھا —

انسپکٹر جمشید آگے بڑھے — ایسے میں محمود نے کہا:

"ایک بات رہ گئی ابا جان۔"

وہ مُڑے اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے:

" اور وہ کیا؟"

" زندہ قبرستان"

" اوہ ہاں! زندہ قبرستان تو ہم نے صدر صاحب کو دکھایا ہی نہیں — میں اس کا نظارہ بھی کراتا ہوں"

یہ کہہ کر انھوں نے اس دروازے کو اُوپر اُٹھا دیا۔ شدید ترین بدبُو انھوں نے محسوس کی۔ صدر صاحب پُوری قوت سے چلّائے:

" بند کرو — بند کرو"

انسپکٹر جمشید نے دروازہ بند کر دیا — تھوڑی دیر بعد وہ سانس لینے کے قابل ہو سکے —

" ویسے سر — ہو سکتا ہے — اس میں ابھی کچھ لوگ زندہ ہوں — وہ ہمارے لیے بہترین گواہ ثابت ہوں گے" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

" لیکن ..." صدر صاحب گھبرا گئے۔

" آپ کے جانے کے بعد ہم کھولیں گے سر — اور دیکھیں گے"

" اوہ ٹھیک ہے" انھوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ پھر بولے:

" جمشید — اب اس کے چہرے سے نقاب اُلٹ دو، تاکہ سب اسے جان سکیں"

" او کے سر"

انسپکٹر جمشید نے کہا، پھر نقاب پوش کے پاس پہنچے اور طنزیہ لہجے میں بولے:

" اب کیا حال ہے آپ کا — آپ اب کیسا محسوس کر رہے ہیں؟"

اس کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا، وہ بالکل بُت بنا بیٹھا تھا۔

" اس سے پہلے کہ میں نقاب اُلٹوں — میں اس کا نام بتا دینا چاہتا ہوں"

" ہاں! ابّا جان — یہ ٹھیک رہے گا"

" تو سُن لیں — یہ امجد شیروانی ہیں — جن کی کوٹھی سے بم برآمد ہوئے تھے — دراصل کوٹھی سے بم برآمد ہونے کی یہ کوئی وضاحت پیش نہیں کر سکے تھے، لیکن ضمانت تو خیر ان کے وکیل کرا ہی لیتے — اور میں نے بھی رکاوٹ نہ ڈالی — کیونکہ رنگے ہاتھوں پکڑنے کا مزا ہی کچھ اور ہے — انھوں نے خود ہی باس کے رُوپ میں روگر کو ہدایات دی تھیں کہ کوٹھی میں ان پر الزام

لگا دینا۔"

"اُف مالک — میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ..." صدر صاحب جُملہ مکمّل نہ کر سکے۔

"جی ہاں! ایک طرف تو یہ سیاسی جماعت کے لیڈر ہیں — دُوسری طرف ان کی سیاسی جماعت حکومت کے ساتھ ہے — لیکن ان کا تیسرا رُوپ یہ ہے — اور یہ ان کا اصل رُوپ ہے — حکومت کے ساتھ یہ اِسی لیے رہتے ہیں — اپنے لوگوں کو چھڑانے میں بھی انھیں زبردست کامیابی حاصل ہوتی ہے — اب دیکھ لیں، اِدھر انھیں گرفتار کیا گیا، اُدھر یہ چھوٹ کر آ گئے۔" انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

"ہاں! افسوس — لیکن ابھی تم نے نقاب نہیں اُلٹا۔"

انھوں نے نقاب اُلٹ دیا — انسپکٹر جمشید کا اندازہ دُرست ثابت ہوا — پھر صدر صاحب تو چلے گئے — گیس ماسکوں کا انتظام کرنے کے بعد اور سرچ لائٹیں لے کر وُہ تہ خانے کے نیچے بنے زندہ قبرستان میں اترے — وہاں ہڈیوں کے پنجر ہی پنجر تھے — صرف تین آدمی زندہ ملے — وہ بھی مُردوں سے بدتر تھے — انھیں اوپر لایا گیا — اور ہسپتال پہنچایا گیا — صاف ظاہر ہے — یہ باس کے مخالفین

میں سے ہوں گے — ایسے کتنے ہی لوگ اس زندہ قبرستان میں پھینک دیے گئے تھے، لیکن اب اس قبرستان کی موت کا وقت آ گیا تھا۔

وُہ وہاں سے نکلے تو انسپکٹر جمشید نے کرنل سے کہا:

"آپ ہمیں گرفتار کرنا تو بھول ہی گئے۔"

"بھول نہیں گیا — بلکہ میں سوچ رہا ہوں — اگر آپ جیسے لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا تو اس مُلک کا بنے گا کیا — میں تو صدر صاحب سے ابھی وائرلیس پر کہتا ہوں کہ اگر انسپکٹر جمشید کو گرفتار کروانا ہے تو کسی اور کرنل کو بھیجیے اور میرا استعفیٰ منظور کیجیے۔"

"ارے ارے — یہ آپ کیا کرنے لگے — آپ کو چاہیے، ہمیں گرفتار کر کے ان کے سامنے پیش کریں — فوجی کا کام ہوتا ہے — حکم کی تعمیل کرنا۔"

"لیکن میرا خیال ہے — اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔" کرنل نے کہا۔

"ضرورت رہی ہے یا نہیں — آپ ہمیں گرفتار کریں۔"

"نن — نہیں — میں یہ کام نہیں کر سکتا — ایک منٹ انتظار کریں۔"

کرنل نے صدر صاحب سے فوراً رابطہ کیا — اور بولے:

"سر۔ اب انسپکٹر جمشید صاحب کو گرفتار کرنے کے بارے میں کیا ہدایت ہے؟"

"گرفتار تو انھیں کرنا ہو گا ۔ لیکن پھولوں سے بنی ہتھکڑیوں سے ۔ کیا سمجھے؟"

"جی سمجھ گیا ۔ ابھی آرڈر دیتا ہوں بنوانے کا۔" وہ بولے۔ اور سب کے چہروں پر مسکراہٹیں دوڑ گئیں ۔

آیندہ ناول کی ایک جھلک

شوکی سیریز ۱۱

انصاف کا خُون

مصنف : اشتیاق احمد

- مرتے ہوتے ایک شخص نے انھیں بُلایا تھا۔
- وُہ ان سے کیا چاہتا تھا۔
- شوکی برادرز اس سے مُلاقات کرنے گئے تو عجیب حالات کا شکار ہو گئے۔
- اس مرتبہ شوکی برادران کو قدم قدم پر زبردست شکست کا سامنا کرنا پڑا۔
- وہ ان دنوں تنگ دستی کا شکار تھے، لیکن کیوں؟
- یہ تو آپ انصاف کا خُون پڑھنے پر ہی جان سکیں گے۔
- ۲۰ نومبر کو پڑھیے — قیمت : دس روپے —

آیندہ خاص نمبر کی ایک جھلک

۲۰ دسمبر کو پڑھیے

قیمت ۲۷ روپے

خاص نمبر ۳۱

محمود، فاروق، فرزانہ، انسپکٹر جمشید، آفتاب آصف، فرحت، انسپکٹر کامران مرزا اور شوکی برادرز کی مشترکہ مہم

دلدل میں سفر

مصنّف : اشتیاق احمد

- بُرف کے اُس پار کے بعد ایک اور ضخیم خاص نمبر۔
- گذشتہ خاص نمبر اکثر قارئین کو ڈھونڈے نہیں ملا تھا۔ کچھ قارئین اب تک اسے تلاش کر رہے ہیں۔ اس صورتحال سے بچنے کے لیے بک سٹال پر قیمت جمع کرا دیں یا پھر ادارے کو اپنا آرڈر فوری طور پر نوٹ کروا دیں۔
- بک سٹال مالکان پہلے ہی اپنا آرڈر ارسال کر دیں۔ بصورتِ دیگر ان کی ضرورت پوری نہ کی جا سکے گی۔
- خاص نمبر "دلدل میں سفر" کی جھلکیاں آئندہ